اچھا سماج بنائیے!

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
(رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

شائع کردہ
مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
76A/1، مین بازار، اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر نئی دہلی-۲۵
Ph: +91-11-26322991, Telefax: +91-11-26314784
E-mail: aimplboard@gmail.com / www.aimplboard.in

(© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب	:	اچھا سماج بنائیے!
مصنف	:	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
سال اشاعت	:	مارچ ۲۰۱۳ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ	:	راشد العزیزی ندوی/عتیق الرحمٰن دربھنگوی
پروف ریڈنگ	:	وقار الدین لطیفی
صفحات	:	۵۹
قیمت	:	۴۰/روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-نئی دہلی

فہرست

حرفِ چند ۴

پیش لفظ: (از: حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ) ۶

معراج کا پیغام: امت مسلمہ کے نام ۸

عصر حاضر میں تعلیمات نبوی کی معنویت ۱۴

تعمیر ملت ۱۸

تعمیر انسانیت کی اہم بنیادیں ۲۱

مثبت فکر۔ کامیابی کی شاہ کلید ۲۵

دکھے دلوں کی فریاد ۲۸

فریب ۳۲

ٹوٹتی قدریں ۳۶

عزت وناموس کی حفاظت۔ ملک کے لیے بڑا چیلنج ۳۹

عصری درسگاہوں میں بنیادی دینی تعلیم کی ضرورت ۴۴

معاصر دینی تعلیم اور عصر حاضر کے تقاضے ۴۸

تعلیم وتربیت کا معیار بلند کرنے کی ضرورت ۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ چند

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ۱۹۷۲ء میں جن اہم مقاصد کے لئے ہوا تھا، ان میں ہندوستانی مسلمانوں کی داخلی کمزوری، کوتاہی اور دین سے دوری کو ختم کرنا بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ اکابر اور ذمہ داران بورڈ نے اصلاح معاشرہ کی جد وجہد کو کلیدی اور اساسی حیثیت دینے کا فیصلہ لیا، اس کے لئے کل ہند اصلاح معاشرہ کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور اس کی ذمہ داری بورڈ کے فعال اور متحرک سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی نائب امیر شریعت وسجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر کو سونپی گئی، ان کی کنوینرشپ میں ملک گیر سطح پر مسلسل، مربوط اور منظم انداز میں اس کام کو کیا جارہا ہے۔

بعد کے دنوں میں ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک کل ہند مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے، چنانچہ ایک گیارہ نفری کمیٹی وجود میں آئی، اکابر کی خصوصی توجہ کے طفیل راقم کو بھی اس میں بحیثیت رکن شامل کیا گیا، ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں اور شمالی بہار کی زونل کمیٹی کی ذمہ داری ڈاکٹر عبدالحلیم سلفی حفظہ اللہ کو سونپی گئی اور راقم الحروف کو ان کا نائب مقرر کیا گیا۔ اس طرح اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری صدر محترم مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ اور جنرل سکریٹری مخدوم محترم حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے جن لوگوں پر ڈالی ان میں ایک نام اس حقیر کا بھی ہے۔

میں نے جب سے شعور سنبھالا، سماج کی بے راہ روی پر دل کڑھتا رہا ہے۔ اور میری تقریر وتحریر کا یہ مرکزی عنوان رہا ہے۔ امارت شرعیہ سے وابستگی اور شعبۂ تبلیغ وتنظیم کے ذمہ دار کی حیثیت سے سالوں میں نے اس موضوع پر کام کیا ہے۔ جو کچھ لکھا گیا وہ مختلف رسائل میں چھپتا رہا، سمجھ کر رکھنے کی عادت نہیں رہی، اس لئے منتشر ہوتا رہا، بعض احباب نے اس طرف متوجہ کیا، تو بہت دیر ہو چکی تھی، اور منتشر مضامین ومقالات کو جمع کرنا میرے لئے مشکل تھا۔ صرف نقیب کی فائل سے یہ چند مضامین افادۂ تام اور اصلاح عام کیلئے شائع کئے جارہے ہیں، دو ایک مضامین دوسرے رسائل میں بھی مل گئے، ان کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اصلاح معاشرہ کے لئے اسے مفید بنادے۔ آمین وما توفیقی الا باللہ

محمد ثناء الہدی قاسمی

۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

پیشِ لفظ

اسلام اللہ کا ایک پسندیدہ دین اور مکمل نظام حیات ہے، اسلئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے ہر حکم پر عمل کرے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ کی اتباع کرے، اسلام دراصل سپردگی وحوالگی کا نام ہے، جب تک انسان پورے طور پر اپنے کو خدا کے حوالہ نہ کردے اور اس کے حکم کے آگے سر نہ جھکادے، اس وقت تک اسلام ہماری زندگی میں نہیں آسکتا اور نہ مسلم معاشرہ میں اس کی برکت نظر آسکتی ہے، اللہ کا حکم ہے اُدْخُلُوا فِیْ السِّلْمِ کَافَّۃً اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، یعنی ایسا نہیں کہ بعض حکم پر عمل کریں اور بعض کو چھوڑ دیں، عبادات، معاملات، اخلاق ومعاشرت، غرض ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

اسی موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے محترم مولانا مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ، ورکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بہت سارے اصلاحی مضامین لکھے ہیں، جن کا مجموعہ ''اچھا سماج بنائیے'' کے نام سے شائع کیا جارہا ہے، مولانا کا علم پختہ ہے اور آپ نے مسلم معاشرہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس لئے مولانا کی تحریروں میں حقیقت پسندی بھی ہے اور واقعیت نگاری بھی، اگر اسکو غور سے پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو ایک صالح معاشرہ کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے، جو وقت کا اہم تقاضہ ہے، اس لئے کہ اس وقت دنیا، روحانی واخلاقی انحطاط سے دوچار ہے اور صرف ایک امت مسلمہ ہے، جسکو اللہ نے خیر امت کا لقب دیا ہے، وہی پوری دنیا کے سامنے امن وانصاف، اخوت

ومساوات، باہمی محبت و ہمدردی، غرض کہ انسانیت کے اعلیٰ صفات کا نمونہ پیش کرسکتی ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا کی اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کی افادیت ونافعیت کو عام فرمائے۔

سید نظام الدین

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

امیر شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ

۱۲/ مارچ ۲۰۱۳ء

معراج کا پیغام: امت مسلمہ کے نام

طائف کی گلیوں سے اوباشوں کے پتھر کھا کھا کر، لہولہان جسم اور رئیسوں کے طعن وتشنیع سن سن کر ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ لوٹتے ہوئے نبی رحمت ﷺ نے آسمان کی طرف باچشم نم دیکھا، اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے:

''الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کسی بیگانہ ترش کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔''

زبان مبارک سے یہ کلمات نکل رہے تھے اور ادھر ملاء اعلی میں ہلچل مچی ہوئی تھی کہ آج جو کچھ ہوا وہ چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہوگا، فرشتوں میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں کہ آخر جس کے صدقے میں کائنات بنی، اسے اور کتنے مظالم سہنے ہوں گے، رب کائنات کو بھی اس کی فکر تھی، اس لئے خالق کائنات نے اس شکستہ دل کی دل جوئی کے لئے طائف سے واپسی کے بعد ایسا نسخہ تجویز کیا کہ عروج نسل انسانی کی انتہا ہوگئی، زمان ومکان کے قیود وحدود اٹھالئے گئے، تیز رفتار سواری براق فراہم کی گئی، مسجد اقصی میں سارے انبیاء کی امامت کرائی گئی، اور پھر اس جگہ لے جایا گیا؛ جہاں جاتے ہوئے جبرئیلؑ کے بھی پر جلتے ہیں، پھر قربت خداوندی کی وہ منزل بھی آئی؛ جس کے بارے میں قرآن کریم نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ

اَوْ اَدْنٰـــــــى کہہ کر سکوت اختیار کرلیا، ساتوں آسمانوں کی سیر، جنت وجہنم کا معائنہ، انبیاء کی ملاقاتیں، اور پھر واپسی، کتنے گھنٹے لگے؟ کیا تیز رفتاری تھی؟ سب کچھ رات کے ایک حصے میں ہوگیا، اور صبح آپ ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے نکلے، اور لوگوں میں اس واقعہ کا اعلان کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تصدیق کرکے صدیق ہوگئے اور کئی نے تکذیب کرکے اپنی عاقبت خراب کرلی، اور منافقین کے دل کی کدورتیں اور ایمان واسلام سے ان کی دوری، کھل کر سامنے آ گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سفر میں، عالم قدس میں اپنی تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتوں کا نذرانہ پیش کیا، اور اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ پر ایسی سلامتی بھیجی، جو مومنین کے نمازوں کا جز ہوگیا، اللہ کے رسول، اس اہم موقع سے اپنی امت کو کیسے بھول سکتے تھے، فوراً ہی اس سلامتی میں مومنین وصالحین کو شامل کرلیا اور اس پورے مکالمہ کا اختتام کلمۂ شہادت پر ہوا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

تحفے نورانی اس سفر میں اور بھی ملے، ایسے تحفے جس سے مومنین بھی معراج کا کیف وسرور پا سکتے ہیں یہ تحفہ نماز کا تھا، پچاس وقت کی نماز تحفہ میں ملی، قربان جائیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے، جنہوں نے بار بار بھیج کر تعداد کم کرائی اور بات پانچ پر آ کر ٹھہری، ثواب پچاس کا باقی رہا، اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی ﷺ نے اعلان کیا کہ نماز مومنین کی معراج ہے۔ ہم واقعۂ معراج پر سر دھنتے ہیں، دھننا چاہئے۔ لیکن اس واقعہ کا جو عظیم تحفہ ہے اس سے ہماری غفلت بھی لائق توجہ ہے، معراج کے واقعہ کا بیان، سیرت پاک کا اہم واقعہ ہے، ہم اس کو سن کر خوب خوش ہوتے ہیں، جلسے جلوس بھی منعقد کرتے ہیں اور اس خاص تحفہ نماز کو بھول جاتے ہیں جو ہمارے لئے آقا ﷺ لے کر آئے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جہاں ہمیں کچھ کرنا نہیں ہوتا، وہاں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور جہاں کچھ کرنے کی بات آتی ہے ہم اپنی ذمہ داریوں کو بھول جاتے ہیں اور ان سے پہلو تہی کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو ہماری مسجدیں نمازیوں سے بھری رہیں گی اور رحمت ونصرت کی وہ پروائی چلے گی

جو مصائب والم کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گی۔

یہ حال تو ہمارا معراج کے اس تحفہ کے ساتھ ہے جس کا ذکر معراج سے متعلق گفتگو میں بار بار آتا رہتا ہے۔ لیکن قرآن نے تو ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی﴾ کہہ کر ہمیں بتایا کہ باتیں اور بھی ہیں اور سورہ اسریٰ ہی میں بارہ احکام کے ذکر کے بعد ﴿ذٰلِکَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ﴾ (یہ تمام باتیں دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے آپ پر وحی کی ہیں) کہہ کر واضح کر دیا کہ ''ما اوحی'' میں کیا کچھ تھا، آیئے ان احکامات پر بھی ہم ایک نظر ڈالتے چلیں۔

۱۔ سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا کہ شرک نہ کرو: کیوں کہ یہ بڑا ظلم ہے، وہ اللہ جو اس سارے کائنات کا خالق اور مالک ہے اس کے ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے، اللہ اس بارے میں اتنا غیور ہے کہ اس نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ اس گناہ کو معاف نہیں کرے گا. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾

۲۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو ان کی عزت واطاعت کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو جھڑکنا تو بڑی بات ہے، اف تک نہ کہو، اور ان سے ادب سے باتیں کیا کرو، اور ان کے سامنے اپنے کندھے عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ جھکا دو، اور ان کے لئے دعا بھی کرتے رہو کہ اے رب ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے مجھے صغر سنی میں پالا۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم ہے اور جس طرح اللہ کا شکر ضروری ہے، اسی طرح والدین کا بھی شکر گذار ہونا چاہئے، اس بارے میں احادیث بھری پڑی ہیں، لیکن ہم میں کتنے ہیں جو ان کا پاس وادب قرآن کے مطلوب انداز میں کرتے ہیں حالانکہ مستدرک حاکم کی ایک روایت ہے کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے، اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے اور یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ حسن سلوک کے لئے ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

۳۔ حق داروں کے حق کی ادائیگی کرو: والدین کے علاوہ بہت سے اعزا واقرباء، مسکین اور مسافر کے بھی حقوق ہم سے متعلق ہیں اور ہم ان کے ساتھ جو حسن سلوک کر رہے ہیں یا کریں گے اصلا یہ ان کے حق کی ادائیگی ہے ان پر احسان نہیں ہے۔

۴۔ فضول خرچی اور اسراف سے بچو: کسی گناہ کے کام میں اور بے موقع خرچ کرنے یا ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے بھی منع کیا گیا، اسی کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے ہاتھ بخالت کی وجہ سے گردن سے باندھ کر نہ رکھو، اور نہ اس طرح کشادہ دست ہو جاؤ کہ فقر وفاقہ کی نوبت آجائے، خلاصہ یہ کہ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے، اعتدال اور میانہ روی کی راہ اپناؤ۔

۵۔ مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو: اس لئے کہ روزی ہم تم کو بھی دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے، اولاد کا مارنا بڑی خطا ہے دراصل اس حکم کا تعلق اللہ کی صفت رزاقیت سے جڑا ہوا ہے، بچوں کو اس خوف سے مار دینا یا ایسی ترکیبیں کرنا جس سے ان کی ولادت ممکن نہ ہو، اللہ کی صفت رزاقیت پر یقین کی کمی کا مظہر ہے، اللہ کا اعلان ہے کہ روئے زمین پر جتنے جاندار ہیں سب کا رزق میرے ذمہ ہے۔ اور میں رزق اس طرح دیتا ہوں جو بندہ کے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہے۔ اس صورت میں مفلسی کے خوف سے اولاد کا قتل کرنا، کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ قتل ہی کی ایک قسم اسقاط حمل بھی ہے۔

۶۔ زنا کے قریب مت جاؤ: اس لئے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور یہ بُرا راستہ ہے، حدیث میں ہے کہ زانی زنا کرتے وقت مسلمان نہیں رہتا، ایمان اس کے قلب سے نکل جاتا ہے، آج جس طرح فحاشی بے حیائی اور کثرتِ زنا کے واقعات پیش آرہے ہیں اس سے پورا معاشرہ فساد وبگاڑ میں مبتلا ہوگیا ہے، کاش اس حکم کی اہمیت کو ہم سمجھتے۔

۷۔ ناحق کسی کی جان مت لو: اس حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل ناحق حرام ہے، اور یہ ایسا جرم عظیم ہے کہ اسے قرآن میں ساری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا، اسی طرح اگر کسی نے ایک جان کو بچالیا تو گویا اس نے بنی نوع انسان کی جان بچالی، اس حکم پر عمل نہ

کرنے کی وجہ سے آج بڑے پیمانے پر قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔

۸۔ یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ: یتیم اپنی کمزوری اور کم سنی کی وجہ سے اپنے مال کی حفاظت نہیں کرسکتا، اس لئے بہت سے لوگ اسے سہل الحصول سمجھ کر ہڑپ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اس حکم میں ہڑپ کرنے اور ناجائز تصرف کرنے کا معاملہ تو کجا؟ اس کے قریب جانے اور پھٹکنے سے بھی منع کیا، کمزوروں کی اس قدر رعایت صرف اسلام کا حصہ ہے۔

۹۔ اپنا عہد پورا کرو: معاہدہ کی خلاف ورزی سے بچو، اس لئے کہ وعدوں کے بارے میں بھی پرسش ہوگی یعنی جس طرح قیامت میں فرائض وواجبات کے بارے میں سوالات ہوں گے، ویسے ہی معاہدات کے بارے میں بھی سوال ہوگا، عہد کے مفہوم میں وعدہ بھی شامل ہے، اسی وعدہ خلافی کو حدیث میں عملی نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو کو ٹھیک رکھو: یعنی ڈنڈی نہ مارو اور نہ کم ناپو، اس لیے کہ انجام کے اعتبار سے یہ اچھا اور بہتر ہے، اگر تم نے ناپ تول میں کمی کی تو جہنم کے ''ویل'' میں ڈالے جاؤ گے یہ تو اخروی عذاب ہے، دنیاوی اعتبار سے پیمانے اور اوزان ٹھیک رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تجارت میں برکت بھی ہوگی۔ کاروبار بھی خوب چمکے گا۔

۱۱۔ جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل مت کرو: کیوں کہ کان، آنکھ، اور دل سب کے بارے میں قیامت کے دن پوچھ گچھ ہوگی، ہمارا حال یہ ہے کہ ایک بات سن لیا اور بغیر کسی تحقیق کے اسے دوسروں سے نقل کردیا۔ یا اگر کچھ فائدہ نظر آیا تو اپنی زندگی میں اتار لیا، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں خبر کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم بغیر تحقیق کے کام شروع کردو گے تو کبھی تمہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا، حضور ﷺ نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ **کفی بالمرء کذبا ان یحدث ماسمعه** کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے جو سنا ہے وہ بیان کردے، آج جب سنی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے نمک مرچ لگا کر بیان کرنے کا مزاج بن گیا ہے اور سنی سنائی باتوں پر عمل کی بنیاد رکھی جارہی ہے۔ تو ہمیں دنیا میں ندامت کا

سامنا کرنا پڑسکتا ہے اور آخرت کی رسوائی الگ ہے، جہاں مجرموں کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اوران کے ہاتھ بولیں گے، پاؤں گواہی دیں گے کہ ان اعضا سے کیسے کیسے کام لئے گئے۔

۱۲۔ اور آخری حکم اس سلسلے کا یہ ہے کہ زمین پر مغرور بن کر مت چلو: اس لئے کہ تم اپنے اس عمل سے نہ تو زمین کی چھاتی پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑ کی چوٹی سر کر سکتے ہو، گویا یہ ایک احمقانہ فعل ہے۔ اور اس کے نتیجے میں پستی ذلت وخواری تمہارا مقدر ہے، کیوں کہ قدرت کا اصول ہے کہ اکڑ کر نیچے آیا جاتا ہے اوپر نہیں، اوپر جانے کے لئے جھک کر جانا ہوتا ہے جو کبر کی ضد ہے۔ آپ کو جب پہاڑ پر چڑھنا ہو تو جھک کر ہی چلنا ہوگا، سائیکل اونچی سڑک پر چلا رہے ہوں یا پیدل ہی نیچے سے اوپر کو جارہے ہوں تو جھک کر چلنا ہوگا، ورنہ آپ الٹ کر کھائی میں جا گریں گے، معلوم ہوا کہ اوپر جانے کے لئے جھکنا ہوتا ہے لیکن جب پہاڑ سے نیچے آنا ہو تو اکڑ کر آنا ہوتا ہے اس لئے کہ اگر جھک کر آئے گا تو ڈھلک کر کھائی میں جا پڑے گا۔ البتہ یہ جھکنا جاہ ومنصب اور کسی آدمی کے خوف سے نہ ہو بلکہ جھکنا صرف اللہ کے لئے ہو اسی کو اللہ کے رسول ﷺ نے **من تواضع لله رفعه الله** سے تعبیر کیا ہے۔

یہ ہے درحقیقت معراج کا پیغام اور تحفہ، جن پر عمل کرنے سے یہ دنیا جنت نشاں ہوسکتی ہے آج ہم نے اس پیغام کو بھلا دیا ہے، اور شب معراج کے ذکر سے اپنی محفل کو آباد کر رکھا ہے حالانکہ شب معراج تو ہمیشہ ہمیش کے لئے وہی ایک رات تھی جس میں آقا ﷺ معراج میں تشریف لے گئے تھے، قیامت تک کوئی دوسری رات شب معراج نہیں ہوسکتی ہے، وہ تاریخ آسکتی ہے، لیکن وہ نورانی رات پھر کبھی نہیں آئے گی، ہم نے بھی اپنی جہالت وغفلت سے کیسی کیسی اصطلاحیں وضع کر رکھی ہیں اللہ تعالی ہم سب کو شب معراج میں دیئے گئے پیغام کی اہمیت ومعنویت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، **آمین یا رب العلمین وصلی الله تعالی علی النبی الکریم وعلی اله وصحبه اجمعین.**

عصر حاضر میں تعلیمات نبوی کی معنویت

اللہ رب العزت نے جب سے یہ دنیا قائم کی، پہلے دن سے ہی انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث کرنا شروع کیا؛ بلکہ جب اس دنیا میں کوئی انسان نہیں تھا صرف آدم علیہ السلام تھے، اس ایک انسان کو نبی بنایا، دنیا آباد ہوتی گئی، آبادیاں بڑھتی رہیں، کائنات کا نظام وسیع ہوتا رہا اور اس وسعت کے حساب سے انبیاء ورسل بھیجے جاتے رہے، تاریخ میں ایسے مواقع بھی آئے جب مختلف علاقوں کے لئے الگ الگ رسول بھیجے گئے تاکہ وہ احکام الٰہی کو لوگوں تک پہونچائیں، خود کر کے دکھائیں، اور وہ لوگوں کے لیے آئیڈیل ہوں، یہ احکام الٰہی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ بھی رہیں، اس لئے آسمانی کتابیں اور صحیفے بھیجے گئے، ضرورت کے اعتبار سے یک بارگی یا قسطوں میں۔

پھر ایک دور وہ آیا جب خالق کائنات نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث کیا، کتاب اللہ کی شکل میں تیئیس سال میں قرآن کریم کو قیامت تک کے لئے دستور حیات بنا کر نازل کیا اور عالم الغیب اور علیم بذات الصدور نے اس پورے نظام کی تکمیل کا اعلان کر دیا، اور نعمت باری کے اتمام کا مژدہ سنا دیا، رعایت قیامت تک آنے والے لوگوں کی ملحوظ رکھی گئی اور قرآن کریم کو قیامت تک کے لئے تحریف وتبدیل سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا گیا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو جامع کمالات اور صفات کے ساتھ جوامع الکلم بنایا گیا اور ملفوظات نبوی بھی دین کا حصہ قرار پائے، زبان نبوت سے یہ اعلان بھی کروادیا گیا کہ زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات وملفوظات بھی وحی الٰہی سے ہی صادر ہوتے ہیں اور معاملہ صرف اتنا سا ہے کہ ان کی قرآن کریم کی طرح تلاوت نہیں کی جاتی۔ اب

یہ ساری تعلیمات قرآن واحادیث میں مذکوراور محفوظ ہیں۔

ان تعلیمات کی اہمیت اورضرورت ہر دور میں رہی ہے اوراس نے ہر دور میں بھٹکے ہوئے آہوکوسوئے حرم لانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ جب جب ان تعلیمات سے انسانوں نے دوری اختیار کی، انسانیت کراہنے اور سسکنے لگی، انسانوں کے خودساختہ دستور، قوانین اور نظام زندگی نے بنی نوع انسان کوسکون، راحت وآرام پہونچانے کے بجائے اسے نت نئے مسائل اور پریشانیوں سے دوچار کیا، موجودہ دوراس کی منہ بولتی تصویر اور عصر حاضر کے مسائل ومشکلات اس کی واضح مثالیں ہیں ہر طرف افراتفری اور افراط وتفریط کی گرم بازاری ہمیں تعلیمات نبویؐ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کررہا ہے، یہی ایک صورت ہے جس میں پریشان دنیا کا مداوا ہے۔

ہم نے ایک کے سامنے سر کو جھکانا چھوڑ دیا تو پتہ نہیں کتنی جگہوں پر ہمیں جبیں سائی کرنی پڑ رہی ہے۔ ہمیں ''یک در گیر ومحکم گیر،، کا حکم دیا گیا تھا، ہم نے بہت سارے دروازوں سے اپنی امیدیں اور توقعات وابستہ کرلیں، نتیجہ میں ہمیں ہلاکت وبربادی، افلاس وپسماندگی ملی، ہمیں غصہ پر قابو پانے کا حکم دیا گیا تھا اور جواسے پچھاڑ دے اس کے قوی ہونے کا اعلان کیا گیا تھا، ہم اس معاملہ میں اتنے کمزور ثابت ہورہے ہیں کہ ہماری شبیہ جذباتی اور جوشیلی بن گئی ہے، تحمل اور برداشت کا مادہ ہم میں باقی نہیں ہے، جس کے مضر اثرات کھلی آنکھوں ہم دیکھ سکتے ہیں، ہمیں غیبت، چغل خوری، تجسس، ذات برادری کی لعنت سے دوررہنے اور ہر قسم کے تعصب سے پاک سماج بنانے کی ذمہ داری دی گئی تھی، لیکن ہم اس پوری لعنت کو ترقی اور رفع درجات کا ذریعہ سمجھنے لگے، اس کے لئے تنظیمیں بنائی جانے لگیں، اور ہم آپس میں دست وگریباں ہونے لگے، دھوکہ دہی مسلمانوں کے شایان شان نہیں تھا؛ لیکن مادی منفعت کے حصول کی ہوس میں یہ شان جاتی رہی، اب پھٹے کپڑے اور خراب مال کو اچھا کہہ کر اچھی قیمت پر فروخت کردینے والا ہی اچھا سیلز مین ہے، گول مرچ میں پپیتے کا بیج اور مرچ کے سفوف میں اینٹ کے سفوف ملانے کے واقعات بھی حیرت انگیز نہیں ہیں، لوگوں پر

رحم کرنے والے پر اللہ کی رحمت کے نزول کی بشارت دی گئی تھی، لیکن ظلم وجور ہمارا شیوہ بن گیا، علم ہماری شناخت کا ذریعہ تھا، ہم جہالت میں ممتاز ہوکررہ گئے، ہمیں امت وسط اور خیرامت بنا کر لوگوں کو صحیح راستے پر لانے کا کام سپرد کیا گیا تھا، ہم خود گم کردہ راہ ہوگئے، راہ بری کس طرح کرسکتے ہیں،، سود کی لعنت سے پاک تجارت اور معاشی نظام ہماری پہچان تھی، لیکن ہمیں سودی کاروبار کرنے تک میں عار نہیں ہے، کوششیں اس کی بھی ہوتی رہتی ہیں کہ کسی نہ کسی بہانے ہندستان میں سود کو جائز قرار دیدیا جائے، ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انہیں اف تک کہنے سے روکا گیا تھا، ان کے لئے اپنے کاندھے جھکا دینے کا حکم دیا گیا اور ہم ان کے لئے اولڈ ایج ہوم کی تجویز لا رہے ہیں، تاکہ ہماری بے لگام زندگی میں وہ کہیں پر رکاوٹ نہ بنیں، ہمیں اپنی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، عورتوں کو بے پردہ نکلنے اور بناؤ سنگھار کرکے غیروں کے سامنے آنے سے منع کیا گیا تھا، ہم نے ان حدود وقیود کو اس طرح توڑا کہ رشتوں کا احترام باقی نہیں رہا، ہمیں ام الخبائث شراب کی حرمت بتائی گئی تھی کہ اس میں گناہ بڑا ہے ہم نے اس کو شیرِ مادر سمجھ کر استعمال کرنا شروع کردیا، جوئے، قمار سے ہمیں روکا گیا تھا، لیکن ہم نے اسے جلد مالدار ہونے کا نسخہ سمجھ لیا، اب جوئے خانے کے لائسنس دیئے جاتے ہیں اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں کھلے عام جوا کھیلا جاتا ہے، ہمیں اسراف وفضول خرچی سے منع کیا گیا تھا اور فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا تھا، ہم مختلف تقریبات میں ہزاروں روپے کے پٹاخے پھوڑ رہے ہیں، دو دو سو روپے کے شادی کارڈ چھپوا رہے ہیں، اور کئی کئی سو بلکہ ہزار ہزار روپے کی پلیٹوں پر دعوت ولیمہ کررہے ہیں، بینڈ باجے، رقص وسرور، ڈیکوریشن اور استقبالیہ کے نام پر جو تماشے ہم کررہے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں، انسانی اعضا کی تجارت کو حرام قرار دیا گیا تھا ہم پورے کے پورے سالم جوان لڑکے کو تجارت کا مال سمجھ بیٹھے ہیں، لڑکی والوں پر شادی میں کوئی مالی بوجھ نہیں ڈالا گیا تھا ہم تلک وجہیز کے ساتھ کھانے تک کے مینو طے کرنے میں لگے ہیں ہمیں مہر دینے کا حکم دیا گیا تھا، ہم نے

اسے دین مہر بنا دیا۔

ہم نے اسلامی تعلیم کو چھوڑا تو خاندان ٹوٹنے لگا۔ہمیں پورے خاندان کا نگراں بنایا گیا تھا اور اس حوالے سے ہماری باز پرس بھی ہونی ہے،لیکن ہمیں کلبوں ،تفریح گاہوں سنیما گھروں اور دوستوں کی مجلسوں سے فرصت ہی نہیں کہ ہم اپنے گھر خاندان اور بچوں کی نگرانی اور تعلیم وتربیت کا خیال رکھ سکیں ، پاکیزہ زندگی گزارنا ہمارا طرۂ امتیاز تھا، آج اس کا خیال تک قصہ پارینہ ہے،اس لئے عصر حاضر میں تعلیمات نبوی پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کہ ہم اس سے بہت دور ہو گئے ہیں۔

اور ہم کا مطلب صرف مسلمان نہیں ہیں،تمام انسان ہیں اس لئے کہ تمام لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ،اللہ تمام جہاں کا رب،رسول تمام جہاں کے رسول اور قرآن کریم تمام جہاں کی ہدایت کے لئے ہے،فرق صرف یہ ہے کہ جس نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے اس پر سارے احکام لاگو ہوتے ہیں اور جو ابھی ایمان نہیں لائے ان پر پہلے ایمان لانا اور پھر تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے جو لوگ بغیر ایمان لائے بھی تعلیمات نبویؐ کے دوسرے حصوں کو اپنی زندگی کا محور بنائیں گے وہ بھی دنیا میں اس کے فوائد و برکات سے مستفید ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیرو کار بھی اس قسم کی آواز لگاتے رہتے ہیں کہ حکومت کرنی ہے تو اس کا طریقہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ سے سیکھو اور انسانی ہمدردی اور اکرام انسانیت کا درس اسلام سے حاصل کرو۔

آیئے! ہم پھر تعلیمات نبوی کی طرف لوٹ چلیں ، اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گذاریں،اور نفس کے شر سے بچا کر اپنے اور اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچائیں ،جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور جن پر مامور فرشتے صرف اللہ کی مانتے ہیں ، ان کی نافرمانی نہیں کرتے ،اور جو حکم ہوتا ہے کر گذرتے ہیں۔**لا یعصون اللہ ماامر ھم ویفعلون مایؤمرون ()**

تعمیر ملت

تعمیر اور ملت دونوں ایسے الفاظ ہیں، جن کے معنی کی تفہیم کے لئے لغات کے اوراق الٹنے کی ضرورت نہیں ہے ، یہ دونوں الفاظ اتنی کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں کہ منطق کی اصطلاح میں انہیں بدیہی کہنا چاہیے ، البتہ ان دونوں میں جوڑ اور مضبوط و مستحکم ارتباط کے لئے جن عناصر کی ضرورت ہے اور جن کے بغیر تعمیر ملت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ان میں تعلیم وتربیت ،اتحاد و اجتماعیت اور معاشی استحکام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ، جاہل، اخلاقی اقدار اور اسلامی تربیت سے دور ،پسماندگی نیز افلاس کے ساتھ جو ملت زندگی گذارے گی وہ اپنی تعمیر کا کام بھی انجام نہیں دے سکتی ، ایسے میں وہ اپنے فرائض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کس طرح انجام دے گی ؟ اس لئے تعمیر ملت کے لئے ضروری ہے کہ ہم بہتر دینی وعصری تعلیم کے فروغ ،کلمہ کی بنیاد پر اتحاد، نئی نسل کی دینی ،فکری واخلاقی تربیت ، صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز کریں ، اور خیر امت اور وسط امت ہونے کی حیثیت سے آگے آئیں ، اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں ، ہماری یہ کوشش بار آور ہو،اس کے لئے ضروری ہے کہ اس جدوجہد میں اسلامی اصول وضوابط کی روشنی میں متعینہ حدود وقیود کے ساتھ خواتین بھی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور وہ کردار ادا کریں جو اسلام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا رہا ہے۔ہماری یہ کوشش رنگ لائے ؛ اس کے لئے ضروری ہے کہ سماجی اور سیاسی ماحول بھی سازگار ہو، ماحول بھی ہمیں بنانا ہوگا اس ماحول کو بنانے میں ہندستان کے پس منظر میں

سیاسی استحکام اور جمہوریت وسیکولرزم پر مضبوط یقین بھی ضروری ہے، مسلم مخالف قوتوں کو مضبوط ہونے سے روکنے کے لئے مؤثر اقدام میں بھی ہمیں حصہ داری نبھانی ہوگی۔ ہم یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھ سکتے کہ ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں، ہمیں بھی اسے جاننا ہوگا، ہندستانی دستور کے احترام کے ساتھ ہم جتنا کچھ اسلامی انداز واطوار اس میں داخل کرسکتے ہیں ہمیں کرنا چاہئے، سیاست بری چیز نہیں ہے، آج کی ضرورت ہے، لیکن سیاست میں جو گندگیاں داخل ہوگئی ہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اگر یہ ماحول نہیں بنایا گیا تو سماج میں جو بے راہ روی ہے، عریانی اور فحاشی ہے، ظلم وجور ہے، مشرقی اور اسلامی تہذیب سے جو نفور ہے، اس کے ساتھ تعمیر ملت کا کام نہیں ہو سکتا، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے وسائل کو صحیح استعمال کر کے ملت میں ایسے افراد پیدا کریں، جن کے اندر صالحیت بھی ہو، اور صلاحیت بھی، وہ ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی، پر یقین نہ رکھتے ہوں، بلکہ ان کے اندر ایسا جذبہ اور حوصلہ ہو کہ وہ مخالف ہوا میں پتوار کو صحیح سمت میں موڑ سکتے ہوں، وہ مرد درویش کی طرح تند وتیز ہوا میں مزاج خسروانہ کے ساتھ اسلامی چراغ جلا سکتے ہوں اور اسلامی علم بلند کر سکتے ہوں، ان کے ذہن کا سانچہ ایسا بنایا جائے کہ وہ سماج کے رخ کو صالح اقدار کی طرف موڑ دیں۔ وہ سمجھیں کہ قوت موڑ دینے کا نام ہے مرجانے کا نہیں۔

ہماری حالت یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے آنے والی ہر ہوا اور صدا ہمارے لئے قابل توجہ اور قابل تقلید ہے، ہمارا اپنا سرمایہ ہمارے بچوں کو آؤٹ آف ڈیٹ لگتا ہے، ہماری تہذیب وثقافت سے انہیں الرجی ہے اور اسے رجعت پسندی قرار دیتے ہیں، یہ ذہنیت اور کیفیت ترقی یافتہ ملت کی نہیں ہونی چاہئے۔

وہ ملت جس نے دنیا کو ہر محاذ پر ترقی کے رموز عطا کئے، وہ ایسی کمزور ہوگئی کہ دوسرے اقوام اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، جس نے دنیا کو جہالت کی ظلمت سے نکالا، اس کی

بڑی آبادی کا تناسب خواندگی میں خطرے کے نشان سے اوپر چلا گیا، جس نے دنیا کو تہذیب وثقافت دیا، وہ دوسروں کی تہذیب وثقافت کی اسیر ہو کر رہ گئی ہے، یہ افسوس ناک ہی نہیں دردناک اور کرب ناک بھی ہے، ہمیں ہر حال میں ان حالات کو بدلنا ہوگا۔

تعمیر ملت کے لئے اتحاد امت ضروری ہے، یہ امت ایک امت اور ایک جماعت بنائی گئی تھی، اس کا دین صرف اور صرف اسلام ہے، نہ اس کے آگے کچھ ہے اور نہ پیچھے، خدا معلوم کن کن بنیادوں پر یہ امت ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی، فروعی مسائل میں اختلافات جھگڑوں میں تبدیل ہوگئے، اور اس کے نتیجے میں قتل وغارت گری کی مثالیں بھی کم نہیں ہیں

تعمیر ملت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہماری غربت بھی ہے اور اس کی وجہ مسلمانوں میں ملازمت اور زراعت پر انحصار ہے، تجارت کی طرف ان کی رغبت کم ہے، حالانکہ تجارت سنت بھی ہے، اور حصول رزق کا عمدہ ذریعہ بھی، تجارت کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ہے، لیکن چھوٹے موٹے روزگار اور گھریلو صنعتوں سے جڑنے سے بھی بے روزگاری ختم ہوجاتی ہے، اور اس واسطے سے بڑے پیمانے پر تجارت کے مواقع بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ سرکاری ملازمت کے حصول کی جدوجہد میں ہماری توانائی صرف ہونی چاہئے، یہ ہمارا حق ہے؛ لیکن اس پر انحصار کسی طرح درست نہیں ہے مسلمانوں کی رغبت تجارت کیطرف کس طرح ہو اس کے لئے کامیاب منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

تعمیر انسانیت کی اہم بنیادیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا، اسے اشرف المخلوقات بنایا، مزاجاً اور طبعاً سماجی جاندار کا رنگ وروپ بخشا، ان امور کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کی طرح زندگی نہ گذارے، اس کے اعمال، افعال، اخلاق دوسروں سے اس قدر ممتاز ہوں کہ آدمی کو انسان کہا جاسکے، وہ نہ صرف خود انسان رہے، بلکہ دوسروں کو بھی انسان بنانے کی جد وجہد میں شامل ہو، اور تعمیر انسانیت کا کام پوری زندگی کرتا رہے، اس پر حیوانیت اور درندگی کا دورہ کبھی نہ پڑے۔

تعمیر کا یہ کام جوڑ کا کام ہے، اور جوڑنے کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں، دیوار جتنی اونچی کھڑی کرنی ہو، بنیاد اتنی ہی مضبوط ہونی چاہئے؛ جس طرح کمزور بنیادوں پر محل کھڑے نہیں کئے جاسکتے، ویسے ہی تعمیر انسانیت کا کام خود ساختہ بنیادوں پر نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کے لئے بنیادیں فراہم کیں، ان بنیادوں پر اگر ہم نے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا تو انسانیت کی فلک بوس عمارت کھڑی ہوسکتی ہے۔

سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم سب خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، کہیں کے رہنے والے ہوں، کسی برادری اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، زبان کوئی سی بھی بولتے ہوں، سب ایک آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے، اس طرح ہم سب ایک نسل اور ایک خاندان کے ہیں، جس کا ایک سرا اس دنیا کے سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام سے ملتا ہے، کسی بنیاد پر کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں ہے، خاندان، قبائل اور برادریاں آپسی تعارف کے لئے

ہیں، نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، نہ عربی ہونا قابل فخر ہے اور نہ عجمی ہونا ذلت کا سبب، جو جتنا اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ کے نزدیک وہی قابل اکرام واحترام ہے، اس طرح دیکھیں تو ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا ہمدرد وغم گسار ہونا چاہئے، مصیبت کے وقت مدد کے لئے آگے آنا چاہئے، دکھ درد میں شریک رہنا چاہئے، یہ کام تمام مذاہب جماعتوں اور گروہوں کی طرف سے ہونا چاہئے۔ ہماری بدقسمتی سے ایسا ہو نہیں پارہا ہے، آج صورت حال ہے کہ ہم اپنے علاوہ دوسروں کو بھائی سمجھتے ہیں اور دوسرے ہمیں چارہ، اسرار جامعی نے مزاحیہ انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے ؎

بھائی چارے کا مطلب ہرگز یہ نہ ہونا چاہئے
ہم تو انہیں بھائی سمجھیں اور وہ چارہ ہمیں

حالانکہ بھائی کا دوسرے بھائی کو تکلیف پہونچانا انتہائی قابل مذمت کام ہے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے انسان محفوظ رہے، اللہ تعالیٰ نے کسی ایک انسان کے ناحق قتل کرنے کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا اور ایک انسان کی حفاظت کو پوری انسانیت کی حفاظت کے مترادف قرار دیا، اتنے بڑے پیمانے پر انسانی بنیادوں پر امن وسکون کا فارمولہ دوسرے مذاہب میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔

تعمیر انسانیت کی دوسری اہم بنیاد یہ ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، کیونکہ اس کی وجہ سے منافرت پھیلتی ہے اور بغض وعداوت کا بازار گرم ہوتا ہے، حالانکہ ایسا ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو، فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کا کبھی مذاق نہ اڑائے؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ دوسری عورت ہی اللہ کے نزدیک بہتر اور پسندیدہ ہو، مذاق اڑانے ہی کی ایک شکل دوسروں پر آوازیں کسنا، کرید کرید کر عیب نکالنا اور برے القاب سے ایک دوسرے کو موسوم کرنا ہے، شریعت نے اسے بھی نا

پسندیدہ عمل قرار دیا، تا کہ لوگوں کے دل نہ ٹوٹیں اور فتنہ وفساد کی آگ سے انسانیت خاکستر نہ ہو۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ دوسرے مذاہب والے اللہ کے علاوہ جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، ان معبودان باطل کو بھی برا بھلا نہ کہو، اس لئے کہ وہ جواباً تمہارے خدا کو برا بھلا کہیں گے اور آپس میں معاملہ جنگ وجدال تک پہونچ جائے گا۔ منافرت کا بازار گرم ہوگا، بزرگان دین، اولیاء کرام اور علماء دین نے اس پر اس قدر عمل کیا کہ ان کی خانقاہوں میں مسلم اور غیر مسلم سبھی کا رجوع عام ہونے لگا، کہتے ہیں کہ ایک بار خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں کسی نے قینچی پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ فقیر جوڑنے کے لئے آیا ہے، مجھے تو سوئی دھاگا دو تا کہ میں پھٹے ہوئے دلوں کی بخیہ گری کا کام انجام دے سکوں، فقیر کے یہاں قینچی کا کیا مصرف ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک بار ایک بڑھیا حلوا لے کر آئی اور کہا کہ بیٹا یہ میں خاص کر تیرے لئے بنا کر لائی ہوں اور بغیر کھلائے نہیں جاؤں گی، آپ نے حلوا نوش فرمایا، بڑھیا کے جانے کے بعد لوگوں نے کہا کہ آپ کا روزہ تھا، فرمایا: نفلی روزہ تھا، یاد رکھو روزے کی قضا تو ہوسکتی ہے، لیکن دل ٹوٹنے کی کوئی قضا نہیں ہے، میں نہیں کھاتا تو بڑھیا کا دل ٹوٹ جاتا، اس قدر دوسروں کی دل جوئی کا خیال رکھا جائے تو قصر انسانیت کے فلک بوس ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟

تعمیر انسانیت کی تیسری بنیاد حقوق کی طلب اور فرائض کی ادائیگی میں اعتدال اور توازن کا قیام ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے حقیقی اور فرضی حقوق کے حصول کے لئے بے چین ہے، احتجاج، جلوس، مظاہرے، ہڑتال اور چکہ جام کا چلن اس قدر عام ہو گیا ہے کہ لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں، ہر گروہ، ہر پارٹی اور مزدوروں کی یونینیں یہ سب حقوق کے حصول کے نام پر کر رہی ہیں، بعض دفعہ خودکشی اور خودسوزی کے واقعات بھی سامنے آتے ہیں، جس سے انسانیت شرم سار ہوتی ہے۔ اب ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ آپ نے اپنے فرائض کی ادائیگی کا کتنا خیال رکھا، کیا آپ وقت پر دفتر جاتے ہیں؟ پورے

وقت کام کرتے ہیں؟ دفتر کے اوقات میں دوسری مصروفیات میں وقت تو نہیں لگاتے؟ دفتر کا وقت ختم ہوتا ہے تب گھر کے لئے نکلتے ہیں؟ تو جواب نفی میں آئے گا، فرائض کے معاملہ میں تو حال یہ ہے کہ ''بارہ بجے لیٹ نہیں اور تین بجے کے بعد بھینٹ نہیں'' آ بھی گئے تو بہت سارا وقت غیر ضروری کاموں میں لگا دیا، گپیں لڑانے سے فرصت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے حقوق کے حصول کی جنگ لڑ رہا ہے اور اپنے فرائض سے غافل ہے، اس طرح تعمیر انسانیت کا کام نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالی نے سماج کا جو نظام بنایا ہے، اس میں حقوق وفرائض کا چولی دامن کا ساتھ رکھا ہے ایک کے تئیں حساسیت اور دوسرے سے غفلت کے ساتھ یہ نظام چل ہی نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جہاں ہر ایک کے حقوق متعین کئے، وہیں فرائض کی طرف بھی توجہ دلائی، حقوق چھین کر لئے جائیں کا نعرہ دینے والوں کو حقوق کی ادائیگی پر ابھارا اور حکم دیا کہ قرابت داروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، ترکہ کی تقسیم، تجہیز وتکفین، ادائیگی وصیت اور قرض کے بعد فوراً کردو، غربا کو کھیتی کٹنے کے دن ان کا حق دیدو، اور مزدوروں کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرو، مانگنے والوں کو مت جھڑکو اور اگر ان کو کچھ نہیں دے سکتے تو بہتر انداز میں معذرت کرلو، جو تم سے ٹوٹ رہے ہیں، ان کو جوڑو اور جس نے ظلم کیا اسے معاف کردو۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پیارا انسان وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچاتا ہے۔

تعمیر انسانیت کی اور بھی بنیادیں ڈھونڈھی جا سکتی ہیں؛ لیکن ان تین امور کی حیثیت سنگ بنیاد کی ہے ان کا خیال رکھ لیا جائے تو پوری دنیا سے فساد وبگاڑ کا ماحول ختم ہوگا، دلوں کی دوریاں قربت میں بدلیں گی۔ آج ضرورت ہے کہ سب مل کر اس اہم کام میں لگ جائیں، تا کہ یہ دنیا انسانوں کے رہنے کے قابل ہو سکے۔

☆☆☆

مثبت فکر- کامیابی کی شاہ کلید

اس وقت ملت کو جن مسائل اور پریشانیوں کا سامنا ہے، ان میں سے ایک اپنے سرمایہ و اثاثہ کو حقیر سمجھنا اور اجتماعی جدوجہد کے مثبت اثرات کو منفی انداز میں پیش کرنا ہے، ایسے لوگ جب اپنی جدوجہد کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان وزمین ایک کر دیتے ہیں، اپنے مضامین، اپنی نثر ونظم، اپنی سیاسی وسماجی خدمات کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے جیسے یہ سارا انقلاب انہیں کی رہین منت ہے اور ساری صالح قدریں انہیں کے ذریعہ پروان چڑھتی رہی ہیں۔ انہوں نے خود جہاں پڑھا ہوتا ہے اور جہاں سے وہ اس لائق ہوئے کہ اپنے کو اس لائق سمجھ رہے ہیں وہ ادارے اور تنظیم کی حرکات وسکنات بھی ان کی نظر میں چبھنے لگتی ہیں اور وہ بھی ان کی تنقید وتعریض کا نشانہ بنتے ہیں، اس طرح وہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرے اندر غیر معمولی صلاحیت تھی اس لیے اس ماحول میں رہ کر بھی میں اپنے کو بنا سکا، ان کو ہرا گتا ہوا سورج ڈوبتا ہوا اور ہر آدھا بھرا گلاس آدھا خالی نظر آتا ہے۔ اس زاویۂ نظر کی وجہ سے ہمارا سارا سرمایہ از کار رفتہ نظر آتا ہے۔ کسی نے کوئی پرانی تنظیم کے نام پر کوئی نئی تنظیم اسی نام سے بنالی تو اسے تقسیم کا عمل قرار دے دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ شخص تو کبھی اس تنظیم کا داخلی فرد تھا ہی نہیں، خارج میں اس تنظیم کے حوالہ سے اس کی کوئی خدمت نہیں تھی، اس نے اپنی انا کی تسکین کے لیے ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی تو تنظیم کی صلاحیت کس طرح متاثر ہوگئی اور تنظیم میں تقسیم کا عمل کس طرح وجود میں آیا؟

ایسے لوگ خوابوں کی دنیا میں یقین رکھتے ہیں، وہ کسی انجینئرنگ کالج سے ڈاکٹر کی

فراغت اور میڈیکل کالج سے انجینئر کے حصول کو حماقت کہتے ہیں لیکن جب معاملہ مدارس اسلامیہ کا آتا ہے تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ چار فی صد طلبہ جو مدرسہ کی چٹائیوں پر بیٹھتے ہیں انہیں آئی پی ایس، آئی ایس، کمپیوٹر کا سافٹ ویر اور ہارڈ ویر انجینئر، عصری علوم کا ماہر اور خدا جانے کیا کیا ہو کر نکلنا چاہئے۔ انہیں ان چھیانوے فیصد کی کارکردگی کی فکر نہیں ہوتی، جو انہیں موضوعات سے متعلق اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن وہ مدارس کے تعلیمی موڈ کو چینج کرنے کے لیے بڑے بڑے منصوبے پیش کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ چھیانوے فی صد کی ایسی منصوبہ بندی آج تک نہیں کر سکے ہیں، جس سے مسلمانوں کی معاشی بدحالی دور ہو اور ملت کے افراد سیاسی، سماجی اور سائنسی میدان میں آگے بڑھ سکیں، اس کے برعکس ان کو مدارس کی تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس گئے گذرے دور میں بھی اخلاقی اقدار کے فروغ اور صالح معاشرہ کی تشکیل کا بڑا ذریعہ ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان مدارس میں خیرات زکوٰۃ سے جو رقم حاصل کی گئی ہے وہ اگر ٹیکس کے نام پر سرکاری خزانے میں جمع ہو جائے تو رفاہ کے بڑے کام ہوں گے، انہیں یہ یاد نہیں رہتا کہ اسلام میں مدات کی رعایت کس قدر ملحوظ ہے، کوئی اگر اس کے خلاف کرتا ہے تو غلط کرتا ہے، یہ فرد کی غلطی ہے، فرد کی غلطی کو اجتماعی بنا کر پیش کرنا عقل اور انصاف دونوں کے خلاف ہے، علمی زبان میں کہیں تو ہمارا مزاج قیاس استثنائی کو قیاس استقرائی ٹھہرا کر سب کو موردالزام ٹھہرانے کا بن گیا ہے، اس زاویۂ نظر میں تبدیلی کی ضرورت ہے ایسے لوگ اپنے کو سیکولر اور جمہوری قدروں میں یقین رکھنے کے نام پر اپنے حقوق کی حفاظت اور حصولیابی کی تحریک کو بھی سیاسی عینک سے دیکھتے ہیں، ان کی نظر میں کوئی تحریک چلانا اپنے کو بے وزن کرنے کے مترادف ہے وہ سرکار کے ہر فیصلے پر سر تسلیم خم کر دینا اور اتنا جھکنا کے دستار گر پڑے کو وزن دار ہونے کی علامت سمجھتے ہیں، وہ ملت کے اس رخ کو پسند کرتے ہیں کہ سب کچھ ہنس ہنس کر سہہ لیا جائے اور اف نہ کیا جائے، ایسے لوگ ملت کے وفادار نہیں ہیں،

ہمیں ان کی سازشوں کو سمجھنا چاہئے ،اس کے لئے پہلا وار علماء امت پر ہوتا ہے، کیونکہ اس گئے گذرے دور میں بھی یہی مرکز عقیدت ومحبت ہیں،اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ ان پر ایسی تنقیدیں کی جائیں کہ امت کا رشتہ علماء امت سے کٹ جائے۔ہمیں ان معاملات میں مثبت انداز فکر کو رواج دینا چاہئے ، کیوں کہ یہی کامیابی کی شاہ کلید ہے،کسی طرح کی منفی سوچ سے ہماری توانائی برباد ہوتی ہے، یقیناً صالح تنقید سے کام کو آگے بڑھانے اور اپنی ناکامیوں پر نگاہ رکھنے میں مدد ملتی ہے،لیکن یہ تنقید جب شخصی اور ذاتیاتی حد تک پہونچ جائے اور تنقید برائے تنقیص ہوجائے تو اسے کسی طور مفید نہیں کہا جا سکتا،اس قسم کی کسی بھی کوشش کا نتیجہ مثبت انداز فکر کو نقصان پہونچانے کا ہوتا ہے۔

☆☆☆

دکھے دلوں کی فریاد

وفد امارت شرعیہ کا کھگڑیا دورہ چل رہا تھا، مرکزی اجلاس کھگڑیا شہر میں ہونا تھا، پورا قافلہ حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کی قیادت میں کھگڑیا پہونچ گیا تھا،جلسہ گاہ چلنے کی تیاری ہورہی تھی کہ ایک دس سال کا لڑکا بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور ایک خط تھما کر چلتا بنا، میں نے حیرت وتعجب کے ملے جلے جذبے کے ساتھ خط کھولا ،لکھا تھا:

''میں بہت پریشان ہوں اور شرمندگی کے ساتھ یہ خط لکھ رہی ہوں ۔ میرا رشتہ اب تک دس پندرہ جگہ سے آچکا ہے.....ایسا لگتا ہے کہ پندرہ دن کے اندر شادی ہو جائے گی ،لیکن گاؤں کے لوگ چڑھا بڑھا کر میرے رشتہ کو قائم نہیں ہونے دیتے ہیں،ہمیں ایسا لگتا ہے کہ زمین پھٹ جاتی ،تو سما جاتے ؛ اس لئے کہ گھر اور گاؤں والوں کے سامنے ہونے کا دل نہیں کرتا ،رسوائی کی حالت میں کہہ دیتی ہوں ،اللہ کوئی راستہ نکال ،نہیں تو موت دیدے۔حالانکہ گھر کے لوگ کچھ نہیں بولتے ، کہتے ہیں جب اللہ کی مرضی ہوگی ،تو ہوگی ،مگر گاؤں کے لوگ طعنہ مارتے ہیں، جب بھی دیکھنے آتے ہیں،آٹھ دس لوگ کے ساتھ آتے ہیں،اور پوچھ تاچھ کرتے ہیں،میری چھوٹی بہن تھوڑی ہم سے اچھی ہے،گاؤں کے لوگ میرا رشتہ توڑ کر چھوٹی بہن سے کرنے کو کہتے ہیں اور میرے ماں باپ کو بدنام کرتے ہیں کہ جہیز وغیرہ نہیں دیں گے ، گاؤں کی عورتیں طعنہ مارتی ہیں کہ جوان ، جوان ، بیٹی ہے ، اب تک شادی نہیں ہوئی ، دیکھیں گے کیسے اچھے گھر میں شادی ہوتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری شادی اچھے گھر میں ہو،لوگ ہمیں طعنہ نہیں ماریں اور ہماری صورت پر الزام نہیں لگائیں کہ

بدصورتی اور مفلسی کی وجہ سے خراب میں گئی، لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ ساری بادشاہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، صورت سیرت اور قسمت اللہ ہی بناتے ہیں، آپ اپنے ملنے والوں سے میرے لئے خصوصی دعا کرادیں کہ جتنا رشتہ چھوٹا ہے سب سے اعلی رشتہ جلد قائم ہو جائے (آمین)

اقتباس طویل ہو گیا، مگر امراض کو سمجھنے کے لئے پورے خط کا نقل کرنا ضروری تھا، یہ نقل املے اور تذکیر و تانیث کی درستگی کے ساتھ کیا گیا ہے تا کہ قاری کو خلجان نہ ہو، بقیہ سارا کچھ وہی ہے جو خط میں لکھا ہوا ہے۔

اس خط سے معاشرہ کی کئی بیماری سامنے آتی ہے۔ پہلا یہ کہ ہمارے یہاں شادی سے قبل جو لڑکی دیکھنے کا رواج ہے، اس میں فریقین بہت سنجیدہ نہیں ہوتے، لڑکے والے من پسند لڑکی کی تلاش میں بار بار لڑکی دیکھنے کی رسم ادا کرتے ہیں اور ذرا سا کچھ نقص نظر آیا تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکے والوں کے لئے یہ بُری بات نہیں ہوتی، لیکن جس لڑکی کو بار بار دیکھ کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس کے لئے رشتوں کا ملنا دشوار ہو جاتا ہے، لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ لڑکی میں کوئی غیر معمولی نقص ہے، جبھی تو رشتے آتے ہیں اور ٹوٹتے ہیں، اس کا سارا خمیازہ لڑکی والوں کو بھگتنا پڑتا ہے، اور بے چاری لڑکی آنکھوں میں خواب سجائے، عمر گذار دیتی ہے، کرب، گھٹن اور اذیت سے بھری ایسی زندگی سے بہتر اسے موت معلوم ہوتی ہے اور وہ زمین کے پھٹ جانے اور خود اس میں سما جانے کی دعائیں مانگتی ہے، کون ہے آخر اس کا ذمہ دار؟ ہمارا معاشرہ اور سماج، جسے چھوٹی موٹی شکایتوں کی آڑ میں جوان دلوں کا خون کرنے میں مزہ آتا ہے، پھولوں کی سیج سجانے کے بجائے حسرتوں اور ارمانوں کا جنازہ دیکھنے میں لطف آتا ہے، اس بے بسی اور بے چارگی پر خون کے آنسو رونے کے بجائے وہ ہنسی اڑاتا ہے، طعنہ دیتا ہے۔

دوسرا مرض یہ ہے کہ لڑکی دیکھنے والوں کی تعداد بھی چھوٹی برات سے کم نہیں ہوتی، آٹھ دس مرد اور عورتوں کا آنا تو معمولی بات ہے، پھر عورتوں کو کھلانے پلانے کے علاوہ

کپڑے بھی دیجئے، جس پر اچھا خاصہ خرچ آتا ہے، کہیں کہیں مردوں کو بھی جوڑا دینے یا کم از کم لنگی دینے کی رسم ہے، اس مالی بوجھ کے علاوہ ناز نخرے الگ ہیں، پھر ان دیکھنے والیوں کا اپنا ناک نقشہ، رنگ وروپ جیسا بھی ہو، دلہن کو کوہ قاف کی پری ہی ہونی چاہئے، یہ پورے جسم کا قصائی کی نظروں سے جائزہ لیتی ہیں، رنگ سانولا، دانت اونچا، ہونٹ بڑے، پیشانی چھوٹی کہہ کر چھانٹ دینا تو معمولی بات ہے، لطیفہ یہ کہ جس چیز کو سب سے زیادہ دیکھنا چاہئے، یعنی دینداری، اس کا ذکر دور دور تک نہیں آتا، کاش یہ عورتیں سمجھ سکتیں کہ شکل وصورت اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اس میں کوئی نقص نکالنا، تخلیق خداوندی میں نقص نکالنے کے مترادف ہے، کون بتائے کہ ان سارے رسومات کو ترک کر دیا جائے تو شادی سادی ہو جائیگی اور لڑکیاں جو رحمت کے بجائے زحمت بن گئی ہیں، انہیں ان کا اصلی مقام واپس مل سکے گا۔

اس خط میں ایک اور بیماری جو سماج کو ناسور کی طرح کھائے جا رہی ہے، کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے تلک جہیز کی بڑھتی ہوئی لعنت، واقعہ یہ ہے کہ جانوروں کی منڈیاں تو کبھی کبھی لگتی ہیں اور کہیں کہیں لگتی ہیں، لیکن ہمارا ہر گاؤں اور ہر محلّہ لڑکوں کی منڈی بن گئی ہے، خوب خوب دام لگتے ہیں، بھاؤ طے ہوتا ہے، اور جو بڑی بولی لگاتا ہے، اس کی لڑکی کے لئے خریداری مکمل ہو جاتی ہے، یا در کھیے مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو کر روپیہ دو روپیہ مانگنے والا فقیر تو قابل معافی ہے، کیونکہ وہ پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے سوال کر رہا ہے، لیکن یہ شریف گداگر کسی طرح بھی قابل رحم نہیں ہے، اس کی گردن پر سینکڑوں اور ہزاروں کی آرزوؤں کے خون اور شریعت کے خلاف کرنے کا جرم ہے، جس دین میں انسان کے کسی عضو کی تجارت کو جائز قرار نہیں دیا گیا، اسے زندہ سالم بیچ دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ سوچنے کا مقام ہے۔

یہاں پر ایک اور بات سمجھ لینی چاہئے کہ سارا قصور لڑکے ہی والوں کا نہیں ہوتا،

کچھ لڑکی والے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں، یہ موٹی موٹی رقم لے کر لڑکوں کی تلاش میں نکلتے ہیں، ڈاکٹر، انجینئر اور برسرروزگار لڑکوں کے دام بڑھاتے رہتے ہیں، چوں کہ ان اوصاف کے لڑکے مسلم سماج میں کم ہیں، جس کی وجہ سے طلب اور رسد (ڈیمانڈ اور سپلائی) کا توازن قائم نہیں رہتا، معاشیات کا عام اصول ہے کہ طلب ورسد میں عدم توازن کی وجہ سے (طلب زیادہ اور رسد کم ہو) تو قیمت آسمان کو چھونے لگتی ہے، سو مسلم سماج کے ساتھ بھی ایسا ہو رہا ہے، کچھ لڑکی والے اپنی جھوٹی شان دکھانے کیلئے براتیوں کی فوج منگاتے ہیں، وہ لڑکے والوں کی پانچ آدمی سے آکر رخصتی کرانے کی بات کی ان دیکھی کرتے ہیں، شادی چندے سے ہو رہی ہو، تب بھی جھوٹی شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اچھے گھر بر کی تلاش میں، اسلام کے کفو (میچنگ) کے اصول کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، نتیجتاً بعد میں غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے لڑکی والوں کو بھی اپنی اس خرابی کو دور کرنا ہوگا ورنہ یہ معاملہ کسی طرح قابو میں آتا نظر نہیں آتا۔

❁❁❁

فریب

انسانی سماج میں جن چند برائیوں نے مضبوط جگہ بنالی ہے، اور انہیں برائی اور گناہ سمجھنے کا تصور دن بدن ختم ہوتا جا رہا ہے ان میں ایک ''فریب'' ہے ''فریب'' کے معنی لغت میں دھوکہ کے آتے ہیں، دھوکہ دینے والے کو فریبی، مکار، عیار دغاباز اور دھوکہ باز کہتے ہیں، فریب کی جو چند قسمیں سماج میں پائی جاتی ہیں ان میں ''فریب نفس'' سب سے اہم ہے، آدمی اپنی ذات کے بارے میں فریب میں مبتلا رہتا ہے، وہ اپنے کو بڑا اسکالر سمجھتا ہے، حالانکہ وہ شیر اور شیر میں فرق نہیں کر پاتا ہے، وہ اپنے کو بڑا عالم سمجھتا ہے، حالانکہ حقیقتاً اسے علم کی ہوا نہیں لگی، وہ معمولی بس کا ڈرائیور ہے، لیکن پائلٹ لکھ کر اپنے کو فریب دے رہا ہے۔ وہ معمولی کلرک ہے، لیکن اپنے کو ادارہ کے ذمہ داروں سے بھی بڑا سمجھتا ہے۔

فریب نفس کی ہی ایک قسم یہ ہے کہ آدمی اپنی صحت، جوانی، عہدے، مال اور جاہ ومنصب میں اس طرح کھو جاتا ہے گویا یہ چیزیں ہمیشہ ہمیش اس کے پاس رہنے والی ہیں، حالانکہ موت اور بسا اوقات احوال وحوادثات ان چیزوں کو آسانی سے جدا کر دیتے ہیں اور فریب نفس کا شکار آدمی ٹوٹ کر رہ جاتا ہے، وہ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ہنستا بولتا ہے، لیکن حقیقت میں ''فریب نفس'' کے بت کے پاش پاش ہونے کی وجہ سے مردہ کی طرح ہو جاتا ہے اور زندگی میں ہی اسے فریب خوردہ ہونے کا عذاب مل جاتا ہے، جمیل مظہری نے اس فلسفہ کو ایک شعر میں پیش کیا ہے ؎

بقدر پیمانۂ تخیل سُرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا

انسان فریب پیہم میں مبتلا رہتا ہے، اور موت اسے آخری نیند سلا دیتی ہے، فریب کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اب حقیقت کی دنیا میں آنے کا وقت نہیں رہتا، اب تو آخرت کے حقائق سے اس کا سامنا ہوتا ہے، جس کے لئے اس نے کچھ تیاری نہیں کی تھی۔

فریب نفس کی ایک دوسری قسم، اپنے بارے میں دوسروں کو دھوکہ میں ڈالنا ہے، اس مرض کا شکار آدمی جیسا ہوتا ہے ویسا نظر نہیں آتا، اور جیسا نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں ہے، وہ اپنے کو ایماندار، شریف اور متواضع بنا کر سماج کے سامنے پیش کرتا ہے، حالانکہ ان چیزوں سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ پروفیسر لطف الرحمٰن کا ایک بڑا ہی بلیغ شعر ہے ؎

عجب طرز انا ہے یہ خاکساری بھی
فریب سے جو دیکھا تو خدا نکلا

گویا کہ خاکساری اور تواضع صرف دکھاوے کا ہے، حقیقت میں وہ اتنا متکبر اور اس قدر فخر وغرور رکھتا ہے کہ بزعم خود، خدا سے مقابلہ کر رہا ہے۔ یہ دورُخی زندگی اگر ایمان وعقیدہ کا جز بن جائے تو یہ فریب نفسی انسان کو منافق بنا دیتی ہے، وہ سوچتا ہے کہ میں دوسروں کو دھوکہ دیتا ہوں حالانکہ وہ خود فریب خوردہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں؛ حالانکہ وہ خود دھوکہ کھا رہے ہیں جس کا انہیں احساس تک نہیں ہے۔ **یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْن.** دوسری جگہ ارشاد فرمایا **یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُم.**

فریب کی یہ قسم خاص طور پر قابل مذمت ہے، اس سے بڑے مفاسد جنم لیتے ہیں، آدمی جن لوگوں پر اعتماد کرتا ہے اور جن کے ظاہری حرکات وسکنات سے ان پر اعتماد کرنے کو جی چاہتا ہے وہی دھوکہ پر اتر آتے ہیں اور معاملہ ''جن پر تکیہ تھا، وہی پتے ہوا

دینے لگے'' کا ہو جاتا ہے، ایک شاعر نے اچھے انداز میں اس کی ترجمانی کی ہے ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا مقام جہنم کے نچلے طبقے میں رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا: **اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ الدَّرْکِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ.**

فریب کی ایک قسم فریب نظر بھی ہے، اس میں آدمی خود دھوکہ کھا جاتا ہے، سامنے والے کی نیت دھوکہ دینے کی نہیں ہوتی، یہ فریب نظر ہے، تپتے ہوئے صحرا میں زمین کی حرارت سے اٹھ رہی لہر پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہاں ریت ہی ریت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **کَسَرَابٍ بِقِیعَةٍ یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً ، حَتّٰی اِذَا جَائَهُ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا.** جیسے صحرا کا سراب کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے اور جب قریب جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا ہے، اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی شاعر نے کہا ہے ؎

نہ جا ظاہر پرستی پر اگر کچھ عقل ودانش ہے
چمکتا جو نظر آتا ہے سب سونا نہیں ہوتا

غالب کا فریب نظر کے سلسلے میں مشہور شعر ہے ؎

ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

عملی اور معاملاتی زندگی میں بھی ان دنوں فریب اور دھوکہ کی کثرت ہوگئی ہے، وعدہ کر کے پورا نہ کرنا دھوکہ کی ہی ایک قسم ہے، آپ نے کسی سے کسی تقریب میں شرکت کا وعدہ کیا، مال ودولت فراہم کرانے کی یقین دہانی کرائی اور عین وقت پر مکر گئے یہ بھی دھوکہ ہے، اسی وجہ سے وعدہ خلافی کو منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا گیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے **اذا وعد اخلف** فرمایا کہ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف

ورزی کرے۔

خیانت بھی فریب کی ایک قسم ہے، کسی نے آپ کے یہاں امانت رکھ دیا، آپ نے اس کی امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا یا اس میں تصرف کر کے اسے نیست و نابود کر دیا یہ بھی عملی فریب ہے اور اسی وجہ سے اس کو بھی منافق کی علامتوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے، **اذأتمن خان**، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

دھوکہ اور فریب کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ معاملات میں جو کچھ طے ہوا ہے اس کی خلاف ورزی کی جائے، کاروبار میں اچھا مال دکھا کر سودا کیا جائے اور خراب مال سپلائی کر دیا جائے، پھٹے ہوئے تھان کو اچھا تھان کہہ کر بیچ دیا جائے، گول مرچ میں پپیتے کے بیج کی ملاوٹ کر دی جائے اور گول مرچ کہہ کر بیچ دیا جائے اللہ کے رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنی جماعت سے خارج قرار دیا ہے، فرمایا: **من غش فلیس منا**، جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ اگر اوپر کا گیہوں ہوا لگنے سے خشک ہو گیا ہو اور اندر کا تر ہو تو نکال کر دکھاؤ کہ اندر کا گیہوں بھیگا ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک تھان میں کچھ نقص تھا، خادم نے بغیر بتائے ہوئے بیچ دیا تو اس دن کی ساری آمدنی صدقہ کر دیا۔

اسلام نے ہر قسم کے فریب کی مذمت کی ہے تا کہ ایک ایسے سماج کی تشکیل کی جا سکے جس میں کوئی کسی سے بلکہ خود سے بھی دھوکہ نہ کھائے اور معاشرہ میں ایک دوسرے پر اعتبار و اعتماد کی ایسی فضا بنے کہ کسی بھی پریشانی اور مشقت کے وقت انسان ایک دوسرے کا دست و بازو بن سکے **وما علینا الا البلاغ**

☆☆☆☆

ٹوٹتی قدریں

ایک صاحب کو ان کی بہترین تعلیمی خدمات پر صدر جمہوریہ کے آر نارائنن نے ملک کا اعلیٰ تعلیمی ایوارڈ دیا، احباب و رفقاء نے استقبالیہ جلسے منعقد کئے اور موصوف کی خدمات پر مقررین نے اپنی اپنی معلومات کا تفصیلی ذکر کیا۔ ایک صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''موصوف کی تعلیمی خدمات پر جو کچھ آپ حضرات نے کہہ دیا، میں اس پر کوئی اضافہ نہیں کر سکتا؛ لیکن میں جب دیکھتا ہوں کہ موصوف کو سگریٹ، گٹکا کھینی جیسی چیزوں کے استعمال سے وحشت ہوتی ہے، چائے بھی کسی کو پلانے کے لیے پیتے ہیں یا کوئی پلائے تو پیتے ہیں۔ باپ کی موجودگی میں یہ شخص نہ تو کرسی پر بیٹھتا ہے اور نہ چائے پیتا ہے، ایک بار کسی نے پیالی پکڑا دیا تو پیالی ہاتھ میں کپکپانے لگی، کتابوں کے درمیان وقت گزارتا یہ شخص کم از کم مجھے تو انتہائی بیک ورڈ آؤٹ آف ڈیٹ (OUT OF DATE) لگتا ہے''۔

لوگوں نے اس تقریر کو سنا اور اسے ''مدح بطریق ذم'' پر محمول کیا۔ مجلس برخواست ہو گئی۔ لیکن میرے شعور کی مجلس گرم رہی، کئی واقعات ذہن کے نہاں خانوں سے باہر آ گئے میں سوچنے لگا کہ جو باتیں پہلے وضع داری کے ذیل میں آتی تھیں آج اس کا برتنے والا آؤٹ آف ڈیٹ معلوم ہوتا ہے تبھی تو ہمارا بچہ ادب و احترام سے عاری ہوتا جا رہا ہے اسے اپنے بڑوں کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا، کرسی پر بیٹھنا تو عام سی بات ہے، آپ کھڑے ہوں تو بھی وہ لیٹے رہنے میں عار محسوس نہیں کرتا، پہلے بچے بڑوں کے سامنے زور سے بولنا، خلاف ادب سمجھتے تھے۔ اب چیخنا بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا، بہت سارا قیمتی وقت کرکٹ کی کمنٹری سننے،

عریاں، فحش فلموں کے دیکھنے، تاش کے پتوں سے کھیلنے، چائے کی دکان پر بیٹھ کر غیبت کرنے میں گزر جاتا ہے، بڑوں کے سامنے کھینی، بیڑی بلکہ سگریٹ تک پینے سے پرہیز نہیں رہا، آپ خود نگاہیں نیچی کر کے گزر جائیں تو اور بات ہے، وہ آپ کے احترام میں ان چیزوں سے باز نہیں آسکتے، کتنا عجیب ہے یہ مرحلہ اور کیسی حیرت ناک ہے ادب وتہذیب سے خالی یہ زندگی، بڑوں نے کہا تھا ''باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' اب یہ کسی کو یاد نہیں، اسے یہ بھی پرواہ نہیں کہ ''بےادب محروم گشت از فضل رب''۔

آج سماج میں بےراہ روی تیزی سے آرہی ہے، پرانی قدریں ٹوٹتی جارہی ہیں اور پرانی وضع کے لوگ اپنی جائے پناہ میں سمٹ جانے میں عافیت محسوس کررہے ہیں، پہلے گاؤں کے ہر بڑے بوڑھے کو گاؤں کے کسی بچے کی بےراہ روی پر ٹوکنے، ڈانٹنے بلکہ مارنے تک کا حق ہوتا تھا اور بچے کا گارجین کہتا تھا ''دادا! اور کیوں نہیں سزا دیا'' آج اگر کسی نے سگریٹ پی کر آپ کے منہ پر دھواں چھوڑ دیا ہے تب بھی آپ کو تنبیہ کا حق نہیں اور اگر آپ نے کچھ کہہ دیا تو ایسی لڑائی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ آپ کہہ اٹھیں گے ''کہاں سے یہ مصیبت مول لے لی'' بہت ممکن ہے کہ آپ کو اپنی جان چھڑانے کے لئے معذرت کرنی پڑ جائے۔ اگر آپ نے زیادہ داروگیر شروع کردی تو کہا جائے گا کہ بوڑھوا، دن بھر ٹرٹر کرتا رہتا ہے'' آپ نے اپنے لخت جگر کو بچپن میں دریافت کرنے پر دس بار ''کوا'' بتایا تھا لیکن وہ ایک سے دوسری بار کسی سوال کے پوچھنے پر خفگی کا اظہار کرنے لگتا ہے، بڑے بوڑھے، جوانوں کی مشغولیت میں حائل نہ ہوں، اس کے خوف سے مغرب میں (OLD HOME) بوڑھوں کا گھر وجود میں آیا، جہاں وہ گھر سے دور کس مپرسی کی زندگی گزارتے ہیں اور جوان لڑکے لڑکیاں اپنے گھر میں گل چھرے اڑاتے ہیں۔ اس صورت حال نے ہندوستان میں بھی ایک ایسی انجمن کو وجود بخشا ہے ''جوانجمن بزرگان وضعیفان'' ہے جہاں بڑے بوڑھے اپنے انداز سے وقت گزار سکتے ہیں۔

یہ حالات یک لخت پیدا نہیں ہوئے، اس کے لئے ہم بھی کم ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم

نے اپنا سارا وقت دفتری مشغولیات اور دوستوں کے درمیان خوش گپی میں لگا دیا، معاشی مصروفیات نے ہمیں یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں دیا کہ بچہ بڑا ہو رہا ہے۔ اور ہمیں اپنی مصروفیات میں سے اس کے لئے کچھ وقت نکالنا چاہئے۔ ہماری اس بےرخی نے بچے کو ان لوگوں کے بیچ ڈال دیا، جو سماجی بےراہ روی کا شکار تھے، کچی عمر میں بُری صحبت نے اثر کیا اور اس نے صالح قدروں کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، ہم نے اسے وقت نہیں دیا، لیکن اس کی بےراہ روی پر موقع بموقع چلاتے رہے، غراتے رہے اور کبھی کبھی جسمانی تعذیب سے بھی بچے کو گزارا، اس کا منفی اثر بچے پر پڑا اور جب اس نے شعور کی آنکھ کھولی تو ہم اپنی مصروفیات میں مگن رہے۔ اور بچہ اپنی مصروفیات میں، کبھی ہم نے خود سے اسے سگریٹ لانے کو کہہ دیا، کھینی بنانے کا حکم دے دیا، دھیرے دھیرے اس کے دل سے بڑوں کا رعب جاتا رہا اور وہ سب کچھ آپ کے سامنے کرنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ ہمارا باپ اتنی صفائی سے جھوٹ بولتا ہے کہ کئی لوگ سچ بھی اس صفائی سے نہیں بول پاتے، اس نے بات بات میں آپ کو گالی بکتے سنا، اس نے دیکھا کہ ہمارا باپ ابھی تو شکایت کررہا تھا اور ابھی جس شخص کی شکایت کرتا تھا، آیا تو گلے مل رہا ہے۔ منافقت کی اس روش نے ہمارے بچے کے ذہن کو مسموم کردیا، اور وہ بھی ''دل ملے یا نہ ملے ہاتھ ملائے رکھئے'' پر عمل کرنے لگا، منافقت کی یہ روش ہنر بن گئی اور شاعر کو کہنا پڑا:

سیاست کی اپنی الگ زباں ہے　　جو لکھا ہوا قرار انکار پڑھنا

اور جو دل میں ہو، صاف کہہ دینا معیوب ہوگیا، گویا نئی نسل کی بےراہ روی اور ٹوٹتی قدروں میں ہماری بےراہ روی کا بھی کم دخل نہیں۔ ہمیں اپنے بچے پر شفقت کا مزاج بنانا چاہئے اور انکی ایسی تربیت کرنی چاہئے کہ وہ ادب واحترام کے مفہوم کو سمجھیں۔ اور صالح سماج کی تشکیل میں اپنی بھرپور حصہ داری نبھائیں۔

❁❁❁

عزت وناموس کی حفاظت۔ ملک کے لئے بڑا چیلنج

دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ملک وقوم کومختلف اوقات میں مختلف مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زندہ قومیں ان مسائل کے حل کے لئے اپنی داخلی توانائی اور طاقت کا استعمال کرتی ہیں، اور مسائل پر قابو پاتی ہیں۔ ہمارے ملک ہندستان پر بھی ایسے مواقع بار بار آئے ہیں، اور یہاں کی متحدہ قومیت اور قیادت نے اس کا کامیاب دفاع کیا ہے۔ایک بار پھر ہمارے ملک کوایک بڑے چیلنج کا سامنا ہےاوروہ ہےعزت وناموس کی حفاظت کا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ملک میں آبروریزی، حیاسوزی، عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اورعفت وعصمت کوتارتار کرنے کے واقعات گزشتہ چندسالوں میں جس طرح پیش آئے ہیں، اس نے ہرشہری کوتشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔اوران واقعات کے خلاف اس وقت پورا ملک اٹھ کھڑا ہوا ہے، یہ ایک اچھی علامت ہے کہ ہمارا ضمیر عزت وناموس کی حفاظت کے لئے جاگ گیا ہے، سونے کی بھی ایک حد ہوتی ہے، کشمیر میں عورتوں کے ساتھ زیادتی ہوئی، ہم سوتے رہے، گجرات میں عورتوں کی عصمت وناموس کی ہولی کھیلی گئی ہے، ہم خاموش رہے، میرٹھ اور ملیانہ میں عورتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہم اس پر بھی نہیں جاگے، آخر ہم کب تک سوتے رہتے؟ ہمیں انتظار تھا ایک صور کا، اوروہ صور دہلی میں ہونے والی اجتماعی عصمت دری نے پھونک دیا، صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے نکل آئیں گے، یہ تو زندہ گوشت پوست کے انسان ہیں، یہ سب نکل آئے، ہم جاگے تو سارے محکمے جاگ گئے، ہمارے قائدین اور قومی نیتاؤں کو اپنی بیٹیاں یاد آنے لگیں، حکومت سے لے کر صحافت تک

میں زلزلہ آ گیا، جو اخبارات اس قسم کی خبروں کو دباتے تھے یا کہیں کونے کھدرے میں ڈال دیتے تھے، جلی سرخیاں سرورق لگانے لگے، صور کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ سب کو بیدار کر دیتا ہے۔دل کو بھی، دماغ کو بھی، عقل کو بھی، شعور کو بھی، حواس اور وجدان کو بھی، ضرورت اس بیداری کو مثبت رخ دینے اور صحیح سمت پر گامزن کرنے کی ہے۔

ہمیں دھیان رکھنا چاہئے کہ اس بیداری کو کچھ لوگ اپنے مفاد کے لئے بھانت بھانت کی بولیاں اور نزاعی بیان دے کر سبوتاژ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کسی عورت کی عصمت کی قیمت پوچھنے والے، کئی مجرم گھیر لے تو مزاحمت نہ کرنے کی تجویز رکھنے والے، بڑی ذات اور چھوٹی ذات کی آبرو کو الگ الگ آنکنے والے، یہ علاقائی عصبیت، مریضانہ سیاسی ذہنیت اور برادری واد کی لعنت میں گرفتار لوگ ہیں، ہمیں ان کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے، اس لئے کہ یہ ملک کے عوام کی آواز نہیں، مٹھی بھر لوگوں کی آواز ہے، جنہیں ملک کی بہو بیٹیوں کی عزت عزیز نہیں، اپنا مفاد اور سیاسی کیریر عزیز ہے، ہم اگر ان کے دست وبازو بن گئے تو ملک اس بڑے چیلنج سے نہیں نکل سکے گا، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس عوامی بیداری کو عزت وناموس کی حفاظت کے لئے استعمال کریں، اسباب ومحرکات، اندیشہ ومضمرات کا جائزہ لیں اور لوگوں کو بتائیں کہ مغرب کی نقالی، چھوٹی سے چھوٹی چیز کے اشتہار پر عورتوں کی برہنہ نیم برہنہ تصویریں، اخباروں میں فرینڈ شپ اور دوستی کے کالم میں ہائی پروفائل عورتوں سے پندرہ بیس ہزار روپے ماہانہ کمانے کے اشتہارات، مساج پارلر، ہیلتھ فٹ نس کے نام پر جنسی کاروبار کی دوکانیں شہروں اور قصبوں میں موجود چکلے جسم فروشی کے اڈے اور طوائف کے کوٹھے مدہوش باتوں کے لئے اخبارات میں چھپ رہے فون نمبرات، ملازمت کے کوچوں، تعلیمی اداروں اور سیاسی گلیاروں میں مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط، مخلوط تعلیم کا پھیلا ہوا نظام، انٹرنیٹ پر موجود سوشل اور سماجی سائٹس کے ہزاروں صفحات، بلوفلموں کی سی ڈی، اور اے سرٹیفکٹ والی سنیما گھروں اور ٹی وی پر دکھائی جانے

والی عریاں اور فحش فلمیں، بازاروں اور تقریبات میں ہوش ربا گانوں کی بھرمار، آئٹم سونگ اور آئٹم گرلس کی کشش، اعضا کو نمایاں کرنے والے کپڑے، پہن کر بھی ننگے دکھائی دینے والے لباس، خواہ وہ لڑکیوں کے جینس پینٹ کی شکل میں ہوں یا لڑکوں کے انڈرویر ہاف پینٹ اور نیکر پہن کر باہر نکلنے کی صورت میں، سبھی ہماری عزت وناموس کے لئے خطرہ ہیں ان خطرات کو ہر گلی کوچوں میں کھلی ہوئی شراب کی دکانیں یقینی بنا دیتی ہیں اور سرراہ عزت نیلام ہو جاتی ہے اور ایک بار عزت چلی جائے تو چاہے جتنا ہنگامہ کیجئے وہ لوٹ کر نہیں آسکتی، اس لئے ہمیں اس کی حفاظت کا مضبوط اور معقول بندوبست کرنا ہوگا۔ ان اسباب ومحرکات کو ختم کیے بغیر عزت وناموس کی حفاظت دریا میں رواں تخت پر بیٹھ کر ''دامن ترمکن ہوشیار باش'' کی صدا لگانے جیسا ہے، یقیناً ضبط نفس کی یہ اعلیٰ قسم ہے، لیکن ایسے ضبط نفس کے لئے جس قسم کی جدوجہد درکار ہے وہ بھی اسباب وعلل کے ختم کرنے کے متقاضی ہیں۔ یہ کام قانون سازی سے زیادہ ماحول اور ذہن سازی کے ذریعہ کیا جانا چاہئے۔

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مشرق، مغرب کی آغوش میں جا کر آزادی، عریانی اور فحاشی کے نام پر ہندستان کی عصمت کے لئے خطرہ نہ بنے، ایسے تمام کاروبار جو عزت وناموس کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں چاہے اس سے جتنی بھی آمدنی ٹیکس کے نام پر آتی ہو، ہمیں بند کرنا ہوگا ایسے تمام اشتہارات ورسائل، کتابچے اور سوشل سائٹس پر نگاہ رکھنی ہوگی اور ان کو آبادی سے نکال کر باہر کرنا ہوگا، جو انسان کی شہوانی خواہشات کو مہمیز کرتی ہیں، موبائل، فیس بک اور نیٹ کا استعمال لڑکے اور لڑکیاں کس طرح کر رہے ہیں، ان کی کڑی نگرانی کی بھی ضرورت ہے۔ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کے کلچر کو بھی ختم کرنا ہوگا۔ ہم جس طرح اپنے بچے اور بچیوں کو آزاد چھوڑنے کے عادی بن گئے ہیں، اس میں یہ کام دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوگا، لیکن ہمیں کرنا ہوگا، مواد نکالنے کے لئے نشتر لگانا پڑتا ہے اور پورے جسم کو ٹھیک رکھنے کے لئے آپریشن ٹیبل کا استعمال عقل مندی کا کام ہے۔

اسکول میں یونیفارم کے نام پر اسکرٹ اور اس جیسے نیم برہنہ لباس کو نکال کر پورے جسم کو چھپانے والے لباس کے لئے ڈریس کوڈ بنانا ہوگا، ثقافت اور کلچر کے نام پر مرد وعورت، لڑکے لڑکیوں کا ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر رقص وسرور اور نیم برہنہ ناچ کی مجلسوں کو ختم کرنا ہوگا، مقابلۂ حسن کے نام پر عورت کو برہنہ کرنا قانونا جرم قرار دینا ہوگا، مرد وعورت کو جو فطری ذمہ داری قانون قدرت نے دی ہے اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانا ہوگا۔ زنا کو زنا ہی سمجھنا ہوگا چاہے وہ بالجبر ہو یا رضامندی سے، بلکہ ممکنہ حد تک آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں کے زنا پر بھی پابندی لگانی ہوگی، شہوانی مناظر دیکھنا، شہوانی باتیں سننا، ہاتھ کا شہوت کے ساتھ بڑھنا، اور پاؤں کا ان جگہوں تک چل کر جانا جو شہوت کے مراکز ہیں، یہ زنا کے مختلف اسٹیج ہیں، آخری مرحلہ ان مراحل سے گذر کر آتا ہے، اگر ہم پہلی منزل پر ہی بریک لگا دیں تو معاملہ آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ گھروں میں آنے والے ان لڑکے لڑکیوں پر بھی دھیان رکھنا ہوگا جو بلوغت کی عمر کو پہنچ رہے ہیں یا پہونچنے والے ہیں، اس کے لئے اٹھارہ سال کی عمر ضروری نہیں ہے، ہمارا ماحول اس قدر آج گرم ہے کہ بچے بچیاں اس سے بہت پہلے اس منزل پر پہنچ جا رہے ہیں، پھر یہ سوال بھی نہیں اٹھے گا کہ زنا کرنے والے کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہے۔

آبروریزی بڑا جرم ہے، اور آبروریزی کی تہمت لگا کر کسی کی زندگی برباد کرنا یہ بھی جرم کے زمرے میں ہی آتا ہے، اس لئے سزائیں بھی دونوں کو ملنی چاہئے، ان کے معیار میں فرق کر لیجئے، لیکن افواہ پھیلانے والوں کو بھی مت بخشئے، جو اس قسم کے جرم میں مبتلا ہو گئے، ان کو نامرد بنا دینا، ناک، کان کاٹ دینا یہ بھی صحیح نہیں ہے، ان کی سزا غیر شادی شدہ ہوں اور پہلی بار جرم کا صدور ہوا ہے تو کوڑے لگا کر، ادھ مروا کر دیا جائے، شادی شدہ نے یہ گھناؤنا کام کیا ہے تو اسے پھانسی دے کر یکبارگی نہیں بلکہ تڑپا تڑپا کر مارنا چاہئے اور تڑپا تڑپا کر مارنے کی ہی ایک شکل یہ ہے کہ اسے کھلے عام پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے، تاکہ لوگ

عبرت پکڑیں اور عزت و ناموس کے لٹیرے جان کے ڈر سے ہی سہی ایسی گھناؤنی حرکت سے باز رہیں۔

ملک کے عوام کا ضمیر جس طرح آج بیدار ہے۔اس بیداری کو باقی رکھا جاسکا تو عزت و ناموس کے لٹیروں کو لڑکیوں پر فقرہ کسنے، جسمانی اور ذہنی اذیت دینے نیز چھیڑ خوانی کا ماحول بھی ختم ہوگا، پھر ہم میں کا کوئی اس قسم کی حرکت دیکھ کر خاموش نہیں رہے گا اور ملک کی بہن بیٹی، بہو، ماں اس کی اپنی ماں بہو، اور بیٹی نظر آئے گی اور آپ جانتے ہی ہیں کہ اس دور میں بھی جب رشتوں کا احترام ختم ہوتا جارہا ہے تو اپنی ماں، بہو، بیوی اور بیٹی پر حملہ وہ لوگ بھی برادشت نہیں کرتے جو دوسروں کی عورتوں کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتے اور گھورتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

عصری درسگاہوں میں بنیادی دینی تعلیم کی ضرورت

راجندر سنگھ سچر کمیٹی نے مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کی جو رپورٹ دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم سے جڑے طلبہ وطالبات میں صرف چار فی صد ہی مدارس کا رخ کرتے ہیں، بقیہ چھیانوے فی صد طلبہ ان تعلیمی اداروں میں ہیں؛ جنہیں ہم اسکول، کانوینٹ اور عصری درسگاہوں کے نام سے جانتے ہیں، عام طور پر ان اسکولوں کے نصاب میں بنیادی دینی تعلیم کا گذر نہیں ہوتا، اس طرح بچہ ابتدا ہی سے دین سے دور ہوتا جاتا ہے، عیسائی مشنریاں اپنے فاسد خیالات سے اس کے دل ودماغ کو مسموم کردیتی ہیں، ادارہ اگر آر ایس ایس کی تحریک سے جڑا ہوا ہے، تو دیو مالائی خیالات بچوں کے ذہن میں دھیرے دھیرے ڈالا جاتا ہے، اور اس کے اثرات سے ہمارے طلبہ میں دین سے بیزاری کا ذہن بنتا ہے اور بات یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ انہیں اسلامی تہذیب وثقافت اور کلچر سے ایک قسم کا تنفر پیدا ہوجاتا ہے، اسے غیر مسلموں کی آبادی اچھی لگتی ہے اور وہاں رہ کر وہ اپنے کو سیکولر سمجھتا ہے، وہ مسلم آبادی میں کیڑے نکالنے لگتا ہے، حالاں کہ وہ جس کمیونٹی سے آیا ہے اسے ٹھیک ٹھاک رکھنے، صفائی، ستھرائی اور دیگر امور جو اچھے شہری کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس کو پورا کرانے، برتنے اور مسلم سماج میں رواج دینے کی اس کی ذمہ داری دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ہے پھر چونکہ وہ پڑھا لکھا ہے، اسے صحیح غلط کا شعور ہے، وہ ماحول کو بنا بگاڑ سکتا ہے، اس نقطۂ نظر سے دوسروں سے اس کی ذمہ داری کہیں بڑھی ہوئی ہے، جو لڑکے حساس ہوتے ہیں اور دین کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی دین ومذہب کے کام کے نہیں رہتے،

اس کا تجربہ مجھے ایک رشتہ کے موقع سے ہوا؛ لڑکا ایم ٹیک تھا، ریٹائرڈ اے ڈی ایم کا لڑکا، میرے ایک مخلص کی لڑکی سے اس کا رشتہ چل رہا تھا، لڑکی والے نے یہ شرط لگائی کہ جب تک میں اس سے مل کر اس کے خیالات جان کر مطمئن نہ ہوجاؤں اس وقت تک یہ رشتہ مکمل نہیں ہوگا، میں کہتا رہا کہ اے ڈی ایم صاحب کے ایم ٹیک لڑکے کو ہمارے جیسا مکتبی مولوی کیا جانچ پرکھ سکے گا؛ لیکن لڑکے والے کی ضد کے آگے میری ایک نہ چلی اور مجھے اس کے لئے وقت نکالنا پڑا، لڑکا میرے سامنے آیا میں نے اس سے سوال کیا کہ نماز پڑھتے ہیں، کہنے لگا، پہلے پڑھتا تھا، اب نہیں پڑھتا، پوچھا گیا کیوں؟ جواب تھا قرآن میں ہے "**واعبد ربک حتی یأتیک الیقین**"، عبادت اپنے رب کی یقین آنے تک کرو، اب مجھے یقین آگیا ہے کہ خدا ہے، تو عبادت کی کیا ضرورت ہے، کہنے لگا، مقصد کے حصول کے بعد وسائل کی ضرورت نہیں رہتی، عبادت تو یقین پیدا کرنے کے لئے ہے، جب وہ حاصل ہوگیا تو اب وسائل کے پیچھے کیوں پڑوں؟ میں نے دوسرا سوال کیا، روزہ رکھتے ہیں؟ کہنے لگا، پہلے رکھتا تھا، اب نہیں رکھتا، کیوں نہیں رکھتے؟ کہنے لگا اس لئے کہ روزہ تو اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ہے "**لعلکم تتقون**" وہ حاصل ہوگیا، میں نے روزہ رکھنا چھوڑ دیا، روزہ بھی مقصود نہیں ہے، مقصود تو تقویٰ ہے، روزہ اس کے حصول کا ذریعہ ہے، میں نے کہا، کیا آپ کی طبیعت نہیں چاہتی کہ جس خدا نے اتنی بڑی کائنات بنائی، آپ کو زندگی کے سارے وسائل دیے، نعمتوں کا انبار لگا دیا، اس کی بندگی کی جائے اور اس کے حکم کو بجالایا جائے، کہا بالکل طبیعت چاہتی ہے، کبھی طبیعت چاہتی ہے تو آدھا گھنٹہ رکوع میں رہتا ہوں، کبھی کئی کئی گھنٹے کھڑا رہتا ہوں، البتہ جس کو آپ لوگ نماز کہتے ہیں وہ میں نہیں پڑھتا، میں نے آخر میں سوال کیا کہ آپ کا آئیڈیل پرسن کون ہے؟ کہنے لگا: عیسیٰ علیہ السلام، میں نے سمجھا کہ یا تو یہ لڑکا پاگل ہے، یا کافر ہے، دونوں صورت میں رشتہ نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ میں نے اپنے اختیارات کا استعمال کرکے بات ختم کرادی۔

یہ ایک مثال ہے آپ اپنے اردگرد ڈھونڈھیں تو آپ کے پاس پڑوس میں کئی ایسے لوگ مل جائیں گے، جن کے خیالات اور معتقدات اسی انداز کے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ آیت میں یقین کا مطلب موت ہے، اس نکتہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے کئی لوگ یہ تجویز رکھتے ہیں کہ قربانی میں جتنے روپے کا جانور ذبح کردیا جاتا ہے، اس سے تو کئی ادارے اور کارخانے چلائے جاسکتے ہیں، پیسہ ہی خرچ کرنا ہے تو خیر کے دوسرے بہت سے کام ہیں، انہیں کرنا چاہئے اور بقول ان کے نعوذ باللہ قربانی مال کا ضیاع ہے حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ یہاں جانور کی قربانی میں پیسہ خرچ کرنا صاحب نصاب پر لازم ہے نہ کہ دوسرا کار خیر، تراویح میں قرآن کریم کا سننا، سنانا مشروع ہے۔

سننے سنانے کا عمل تو تراویح کے بغیر بھی ہوتا ہے تو کیا اسے ترک کردیا جائے، نہیں؛ اس لئے کہ قرآن کریم تراویح میں سنانا مشروع ہے۔ ایک میڈیکل کالج کے ذمہ دار نے بتایا کہ ایک امتحان میں جو صرف مسلم طلبہ وطالبات کے لئے منعقد کیا گیا تھا ایک سوال کے جواب میں سارے طلبہ وطالبات کھڑے ہوگئے، پوچھا گیا، کیا پریشانی ہے؟ کہنے لگے پہلا سوال نہیں سمجھ میں آرہا ہے، یہ پہلا سوال کیا تھا؟ کلمہ طیبہ لکھئے، یہ سوال ان مسلم بچوں کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا، جنہوں نے زندگی کے بائیس پچیس سال مسلم گھرانے میں گزارے تھے اور پڑھے لکھے، قابل لوگ تھے، میں نہیں کہتا کہ وہ سب لا الہ سے واقف نہیں تھے، ہوسکتا ہے کسی کو یاد بھی رہا ہو، لیکن وہ کلمہ طیبہ کی اصطلاح کے ساتھ اپنی یادداشت سے کچھ نکالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، ایک موقع سے یہ بھی تجربہ ہوا کہ لا الہ الا اللہ ہمارا جوان نہیں پڑھ رہا ہے، نکاح کی تقریب تھی، رواج وہاں کلمہ پڑھانے کا تھا، مجھ پر بھی زور دیا جانے لگا، میں نے یہ سوچ کر کہ بدمزگی نہ ہو، لڑکے کو کلمہ پڑھانا شروع کیا، آپ کو جان کر تعجب ہوگا کہ کلمہ کے الفاظ پانچ بار میں لڑکا نے صحیح ادا نہیں کیا، جب اس کے باپ نے سبکی محسوس کی تو کہنے لگا Habit نہیں ہے، کس چیز کا Habit نہیں ہے؟ کلمہ پڑھنے کا، بقیہ ناچنے گانے، کرکٹ کھیلنے اور

دوسرے امور میں لڑکا طاق ہے، نہیں آتا تو کلمہ پڑھنا، اس تحریر کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ سبھی ایسے ہوتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کی محنت سے بہتوں کو کلمہ پڑھنا آ گیا ہے؛ لیکن مجموعی حالات اب بھی تشویشناک ہیں، ہمارا دانشور طبقہ بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ مدارس میں طلبہ کے لئے عصری علوم کو داخل نصاب کرنا چاہئے، ضرور کرنا چاہئے۔ اگر مدارس کے طلبہ نے ان علوم کو نہیں جانا تو ان کی معاش کمزور ہوسکتی ہے، لیکن اسکول کالج میں پڑھنے والے ہمارے بچوں نے اگر بنیادی دینی تعلیم نہیں حاصل کی تو ان کی آخرت تباہ ہوجائے گی، یہاں امکان نہیں، یقین ہے کہ انہیں آخرت میں سخت خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا، ہمارا دانشور طبقہ صرف چار فی صد بچوں کے لئے انگریزی، کمپیوٹر، سیاسیات، سماجیات، سائنسی علوم کو نصاب میں داخل کرنے کے لئے جتنی توانائی صرف کرتا ہے اور ٹیپ کے بند کی طرح ہر تعلیمی مجلس میں اسے دہراتا رہتا ہے، اگر وہ چھیانوے فی صد دوسرے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دینی تعلیم کے حصول کے لزوم پر صرف کرتا تو دین بے زار ماحول سے سماج کو نجات ملتی اور بچے کی نشو ونما اور صلاحیت کا ارتقا صالحیت کے ساتھ ہوتا، اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ جہاں مسلم بچے پڑھ رہے ہیں، وہاں دباؤ بنایا جائے کہ دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور یہ بات تجارتی نقطۂ نظر سے چلائے جانے والے اسکولوں میں دشوار نہیں ہے، انہیں جب یقین ہوگا کہ اگر ہم نے بنیادی دینی تعلیم کا نظم نہیں کیا تو بڑی تعداد میں بچے ہمارا اسکول خالی کردیں گے تو اس پر وہ سوچیں گے اور راہیں آسان ہوں گی، ہمارا المیہ یہ ہے کہ جو لوگ مدارس کے طلبہ کے انگریزی نہ جاننے کا مذاق اڑاتے ہیں، وہی اپنے ماحول میں کلمہ نماز، قرآن پڑھنا نہ جاننے پر ذرا بھی آنکھ بھوں نہیں چڑھاتے؛ جیسے مسلم بچوں میں یہ کمی لائق اعتنا نہ ہو، جب کہ یہ بات پہلے سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے۔

☆☆☆

معاصر دینی تعلیم اور عصر حاضر کے تقاضے

اسلام نے تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور علم ومعرفت کے سلسلے میں جو احکامات دیئے اور اس کی وجہ سے پڑھنے پڑھانے کا جو چلن اور رواج ہوا، اس نے دنیا کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالا، قرآن کریم کے نزول کے ساتھ دور جہالت کا خاتمہ ہوا، مسلمان جہاں کہیں گئے علم کا چراغ روشن کیا، اور وہاں کی ضرورت کے اعتبار سے ایجادات وانکشافات میں ایسا حصہ لیا کہ بہت سارے علوم کے وہ بانی مبانی ہوگئے، یہ وہ دور تھا جب علم شاخ در شاخ نہیں ہوا تھا اور ایک فرد کے لیے ممکن تھا کہ وہ جامع معقول ومنقول کی حیثیت سے سامنے آئے اور لوگ علوم وفنون میں اس کی گہرائی اور گیرائی سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں، اس زمانہ میں آج کی طرح علم دین ودنیا کی تقسیم نہیں تھی، اور ساری توجہ علم نافع کے حصول پر صرف کی جاتی تھی اور غیر نفع بخش علوم سے اللہ کی پناہ چاہی جاتی تھی، نفع بخش علوم کی حیثیت صدقہ جاریہ کی تھی اور مخرب اخلاق علوم کی طرف کوئی جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

پھر زمانہ کی قدریں بدلنے لگیں، علوم میں تنوع پیدا ہوا، اور اس کا دائرہ بڑھتا چلا گیا، ایسے میں کسی ایک شخص کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ تمام علوم پر یکساں دسترس رکھے، اسی طرح اداروں کے لیے بھی سارے علوم اور ان کی شاخوں کو پڑھنا پڑھانا دشوار تر ہوگیا، اس صورت حال کی وجہ سے عملی طور پر مختلف علوم وفنون کے لیے الگ الگ ادارے وجود میں آنے لگے، تاکہ ہر ادارہ اپنے موضوع پر پوری توجہ صرف کرسکے اور اس کے حاملین میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوسکے، اس سوچ نے تخصصات کے اداروں کو وجود بخشا اور ہندوستان

میں مدرسہ اور اسکول کا مفہوم الگ الگ ہو گیا، علماء اور دانشور کی اصطلاح وجود میں آئی اور دونوں الگ الگ علوم کے نمائندہ سمجھے جانے لگے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب دینی تعلیم کے لئے کثرت سے ادارے وجود میں آئے اور ان میں خالص مذہبی علوم کی تدریس ہونے لگی، یہاں کے فارغین نے دینی بنیادوں پر سماج میں کام شروع کیا، خدا بیزار ماحول میں خدا شناسی کی ترغیب دی، انہوں نے ''اجرت'' کے بجائے ''اجر'' کی نیت سے کام کیا اور سماج ومعاشرہ میں صالح قدروں کے فروغ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، مسلمانوں نے اس کی اہمیت کو کم اور غیروں نے زیادہ سمجھا وہ ان اداروں کو بدنام کرنے کی منظم جدوجہد میں لگ گئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، ایک بڑا طبقہ دوسرے راستے سے مدارس کو بدنام کرنے پر تُل گیا اور انہوں نے معاصر دینی تعلیم کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا نعرہ لگایا اور اس زور وشور سے لگایا کہ یہ عنوان بھی اہل علم ودانش کے لئے مرکز توجہ بن گیا، اس مضمون میں ہم اس حقیقت کا مختصراً جائزہ لیں گے کہ آج کے دور میں جو دینی تعلیم دی جارہی ہے، اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے کس حد تک ہم آہنگ کر سکتے ہیں اور اس میں کتنی گنجائش ہے۔

معاصر دینی تعلیم کو ہم تین مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک بنیادی دینی تعلیم، دوسرے ثانوی اور تیسرے اعلیٰ دینی تعلیم، تینوں مراحل میں عصر حاضر کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ سب سے پہلے ہم بنیادی دینی تعلیم کو لیتے ہیں، اس مرحلہ میں بچوں کو بنیادی دینی تعلیم عموماً مکاتب اسلامیہ کے ذریعہ فراہم کرائی جاتی ہے، یہ مکاتب مسجد کے ماتحت بھی چلتے ہیں اور کسی ادارے اور تنظیم کے جزوی یا کلی تعاون سے بھی، ان کے اوقات کہیں صباحی اور کہیں مسائی ہوتے ہیں، ان کے علاوہ بنیادی دینی تعلیم کے درجات بھی تقریباً سبھی مدارس میں قائم ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہی مکاتب دور دراز کے دیہاتوں میں دینی شعور کی بقا اور قرآن ونماز سمجھنے سمجھانے میں کلیدی رول ادا کر رہے ہیں، ہمارا دانشور طبقہ ان کے طریقۂ تدریس، موادتدریس

اور آلات تدریس کے حوالے سے سوالات اٹھاتا رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان تعلیمی اداروں میں انفراسٹکچر کی کمی ہے، پرانا طریقۂ تدریس رائج ہے، اور بچوں کو آج بھی جسمانی تعذیب کے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، ان میں پڑھانے والے اساتذہ کی قابل قدر خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ بیش تر جگہوں پر قرآن کریم صحت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا رواج کم ہے، نورانی قاعدہ پر ہورہی محنت اور مختلف اداروں کی طرف سے تدریب المعلمین کے کیمپ کے ذریعہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ان اداروں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے معیار تدریس کو بڑھایا جائے، طریقۂ تعلیم کو پر کشش بنایا جائے، لیکن ہمہ گیر تعلیمی مہم کے پروگراموں کی طرح گا بجا کر نہیں، بلکہ درس وتدریس کی سنجیدگی کو بحال رکھتے ہوئے ایسے اقدام کیے جائیں، جس سے طلبہ کھیل سے زیادہ تعلیم پر توجہ دینے لگیں، اس کے لئے وسائل فراہم کئے جائیں اور اساتذہ ایسے رکھے جائیں جن کی اخلاقیات سے طلبہ کسب فیض کر سکیں، طلبہ کے عادات واطوار کو صحیح رخ اور صحیح سمت دینے کے لیے یہ بہت اہم زمانہ ہے، اس عمر میں تعلیم کے ساتھ تربیت کی خاص ضرورت ہے، قرآن کریم میں بار بار تلاوتِ کتاب کے ساتھ تزکیہ کا ذکر کر کے یہی پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے اس مرحلہ میں بچہ کو قرآن کریم صحت کے ساتھ پڑھایا جائے، کلمہ، نماز اور دین کی بنیادی تعلیم پر پوری توجہ مرکوز کی جائے اور اس کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے، کذب بیانی، چغل خوری، لعن طعن، گالی گلوج، ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کا مزاج اسی عمر میں بنتا ہے، تھوڑی سی توجہ سے طلبہ کے اندر اخلاق کریمانہ کا مزاج پیدا کیا جاسکتا ہے، اس مرحلہ میں ضرورت کے مطابق ٹیچنگ ایڈ وغیرہ کا بھی استعمال کرنا چاہیے۔

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اساتذہ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا جائے، صلاحیت کے ساتھ صالحیت پر بھی نظر رکھی جائے اور انہیں بقدر کفاف وضرورت وظیفہ یا تنخواہ دیا جائے، تاکہ وہ ذہنی سکون کے ساتھ اپنی اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں،

عموماً دیکھا یہ جا رہا ہے کہ دیہاتوں میں امام ومؤذن اس شخص کو بنا دیا جاتا ہے، جو کسب معاش کے دوسرے ذریعوں پر قادر نہیں ہوتا، مؤذن نہ تو اذان صحیح سے دے پاتا ہے اور نہ امام، نماز سے متعلق مسائل سے کلی طور پر واقف ہوتا ہے، انہیں حضرات کے ذمہ تعلیم وتعلم کا کام بھی سپرد کر دیا جاتا ہے، اس لئے بچوں میں قرآن کریم صحت کے ساتھ پڑھنے کا مزاج نہیں بنتا اور ان کے اخلاق وعادات بھی اساتذہ کی بے عملی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

بعض کانونٹ اور پرائیوٹ تعلیمی اداروں میں دینیات کے نام پر ایک گھنٹی ہوتی ہے، اس ایک گھنٹی میں خلوص کے ساتھ کام کیا جائے تو بہت کچھ ممکن ہے، لیکن عموماً یہ گھنٹیاں نام کی ہوتی ہیں، ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ گارجین جو بنیادی دینی تعلیم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہیں، اس حوالہ سے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جا سکے اور ان کے بچے بھی ادارہ کو مل سکیں، اس تاجرانہ ذہنیت کے باوجود اگر اساتذہ اس گھنٹی میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں تو ان اداروں میں بھی قرآن کریم اور کلمہ نیز ضروری ادعیۂ ماثورہ یاد کرائے جا سکتے ہیں اور تربیت کے لئے بھی فضا سازگار بنائی جا سکتی ہے۔

دوسرا مرحلہ ثانویہ کا ہے، اسکول کانونٹ وغیرہ میں اس مرحلہ میں دینیات کا تصور نہیں ہے، اس مرحلہ میں معاصر دینی تعلیم کا سارا نظام مدارس اسلامیہ میں سمٹ جاتا ہے، نظامیہ مدارس میں یہ مرحلہ عربی اول سے شروع ہوتا ہے اور عربی پنجم، ششم تک چلتا ہے، اس مرحلہ میں ہمارے یہاں عربی قواعد کی تدریس پر خاصی توجہ صرف کی جاتی ہے نحو وصرف کی بنیادی کتابیں اور شروحات تک زیر تدریس آتی ہیں، فقہ وغیرہ کی بھی کچھ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس مرحلہ میں طریقہ تدریس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، ہو یہ رہا ہے کہ طلبہ میں کتاب فہمی سے زیادہ رٹنے رٹانے پر توجہ دی جاتی ہے، کہنا چاہئے کہ تدریس کا انداز، فن کی تدریس کا نہیں، کتاب کی تدریس کا ہوتا ہے، یہی حال دینیات سے متعلق دوسری کتابوں کا ہوتا ہے، کتابوں میں جو مثالیں دیدی گئیں اور جو جزئیات ذکر کر دی گئیں، وہی طلبہ کو یاد ہوتی ہیں، اس

طرز پر دوسری مثالوں اور دوسری جزئیات کے تلاش کی صلاحیت طلبہ میں پیدا نہیں ہوتی یا بہت کم پیدا ہوتی ہے، اس مرحلہ میں ضرورت ہے کہ فن کی تدریس کا مزاج بنایا جائے اور طلبہ میں ایسی صلاحیتیں پیدا کر دی جائیں کہ ان میں دقت نظر بھی ہو اور وسعت نظر بھی۔

اس مرحلہ میں عصری تقاضے کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہیں عصری علوم کی تعلیم دی جائے، عصری علوم کے بعض مبادیات کا پڑھانا مفید معلوم ہوتا ہے، لیکن ہمیں یہاں یہ تفریق ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہمارا مقصد عصری علوم کی تدریس نہیں، علوم دینیہ کی تدریس ہے، یہ مدارس اسی کام کے لئے ہیں، ان کا تعلیمی مزاج، منہج اور مقصد متعین ہے، عصری علوم کو اس مرحلہ میں وسائل کے طور پر تو داخل کیا جا سکتا ہے، مقاصد کے طور پر نہیں، مثلاً پہلے ہم کانڈے کے قلم سے لکھتے تھے، پھر روشنائی والا قلم آیا، پھر مارکیٹ میں لیڈ پین استعمال ہونے لگا اور اب ان کے ساتھ کمپیوٹر بھی لکھنے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے، یقیناً ہمیں اس کو سیکھنا چاہئے، بچوں کو سکھانا چاہئے، فقہ کے جن ابواب ومباحث کو سمجھنے کے لئے آج کی جدید اصطلاحوں کے سمجھنے کی ضرورت ہے اور جن کے بغیر عصر حاضر کے مسائل کی تفہیم، تشریح وتطبیق ممکن نہیں ہے، ان کو ضرور پڑھا دینا چاہئے؛ لیکن بقدر ضرورت ہی، اس سے آگے نہیں، اس سے آگے بڑھنے پر بات مقصد تک پہونچ جائے گی۔

مدارس کی کثرت اور بہتات کے چرچے کے باوجود راجندر سنگھ سچر کمیٹی کی رپورٹ یہ بتلاتی ہے کہ مسلم سماج کے پڑھنے والے بچوں میں صرف چار فی صدی مدارس کا رخ کرتے ہیں، ان چار فی صد بچوں کو دینی علوم میں تخصص اور اسپیشلائزیشن کیلئے مختص کرنا چاہئے؛ تاکہ سماج کی دینی اور مذہبی ضرورتیں ان فارغین کے ذریعہ پوری ہو سکیں، ان طلبہ کو بھی دوسرے علوم پڑھانے میں لگا دیئے گئے تو یہ طلبہ نہ دینیات کے رہیں گے اور نہ عصری علوم کے، جس کا تجربہ مدرسہ عالیہ، بہار اسٹیٹ مدرسہ اکزامنیشن بورڈ اور عربک پرشین بورڈ الہ آباد کے فارغین کے ذریعہ ہمارے سامنے آیا ہے اور آتا رہتا ہے، ہمارے تجربات نے عصری علوم کے ساتھ

مدارس کی تعلیم کے غیر مفید اور غیر مؤثر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے، یقیناً تجربات بار بار کیے جاسکتے ہیں، لیکن جب ہم میڈیکل کالج سے انجینئر اور انجینئرنگ کالج سے ڈاکٹر پیدا کرنے کی کسی تجویز کو پاگل پن اور ذہنی دیوالیہ پن سے تعبیر کرتے ہیں تو مدارس سے ہی یہ کیوں چاہا جارہا ہے کہ وہ عصری تقاضوں کے نام پر اپنے تعلیمی اداروں کے مزاج اور مواد کا گلہ گھونٹ دیں، اور مدارس سے نکلنے والے لوگ دوسرے علوم میں بھی کامل ہوکر نکلیں۔

اس موقع پر تاریخ کے حوالے سے مسلم سائنس دانوں اور دوسرے علوم کے لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے، عصری اور دینی تعلیم کی تفریق سے ملت کے دو نیم ہونے کی بات کہی جاتی ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے نظام تعلیم وتربیت کا جائزہ لے کر یہ بات کہی جاتی ہے کہ علم کی دوئی کو مٹانا چاہئے، یہ سب بجا ہے؛ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم جس زمانے کی بات کرتے ہیں، اس زمانہ میں علم کی اتنی شاخیں نہیں پھوٹی تھیں، اب تو ایک موضوع سے پچاسوں ایسی شاخیں نکل آتی ہیں، جن میں اسپیشلائیزیشن (specialisation) کیا جاتا ہے، اور کسی ایک شخص کے لئے ایک ہی موضوع کی مختلف شاخوں میں مہارت پیدا کرنا، ناممکن سا ہورہا ہے۔

مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے زوردار دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اس طرح ان کا معاشی نظام مضبوط ہوگا اور سماج میں ان کا مقام ومرتبہ فزوں تر ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں محض بہلاوے کی ہیں، جن لوگوں نے مذہبی علوم میں دستگاہ پیدا کی ان کی معاش بھی مضبوط ہے اور بغیر عصری علوم کے پڑھے ہوئے ان کا مقام ومرتبہ جو سماج میں ہے اسے کھلی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، جو لوگ کمزور رہتے ہیں، ان کی معاش کہیں سے پڑھنے کے باوجود کمزور ہی رہتی ہے، بلکہ اگر سروے کرایا جائے تو عصری علوم کے حاملین میں بے روزگاروں کا تناسب مدارس کے فارغین سے کئی گنا زیادہ نظر آئے گا۔

اس لئے اس مرحلہ میں معاصر دینی تعلیم میں زیادہ سے زیادہ عصر حاضر کے

تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہو، تو زبان کی حد تک ہندی انگریزی اور کمپیوٹر کی تدریس کو داخل کرلینا چاہئے، جو پہلے ہی سے بہت سارے اداروں میں داخل ہیں، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر اداروں میں اس کا کامیاب تجربہ کیا جاچکا ہے، اس سے زیادہ کسی چیز کا داخل کرنا عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح کے لئے تو ٹھیک ہے، اس سے زیادہ کرنے سے معاصر دینی تعلیم کا رخ اور قبلہ ہی بدل جائے گا، ظاہر ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

تیسرا مرحلہ اعلیٰ تعلیم کا ہے، اس مرحلہ میں کہنا چاہئے کہ دینی علوم کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے طریقۂ تدریس میں تو عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے، فقہ، تفسیر حدیث اور عقائد کے درس میں آج کے معاملات آج کے حالات، دین پر کھڑے کئے جانے والے نت نئے سوالات اور اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی جانی چاہئے تاکہ طلبہ آج کے لب ولہجہ میں ان اعتراضات کا دفاع اور سوالات کے جوابات پر قادر ہوجائیں، اس مرحلہ میں علم کلام کی جو قدیم کلامی بحثیں ہیں اور جن فرق ضالہ منحرفہ کا ذکر بار بار آتا ہے وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں، آج ہمیں جن لوگوں کا سامنا ہے، اور جس قسم کے سوالات دین ومذہب پر اٹھائے جارہے ہیں، لادینیت کے فروغ اور خدابیزار سماج کے لیے جو جد وجہد سرکاری، غیر سرکاری سطح پر کی جارہی ہے، اس سلسلے میں ہمیں طلبہ کی رہنمائی کرنی چاہئے، اور ان کتابوں کا انتخاب کرنا چاہئے جو اس سلسلے میں مدد ومعاون ہوں اور طلبہ کو اس کام کے لئے تیار کرسکیں۔

اس مرحلہ کی تعلیم یونیورسیٹیوں میں بھی ہوتی ہے اور بعض میں مستقل شعبے دینیات اور اسلامک اسٹڈیز کے کھلے ہوئے ہیں، ان میں بھی انہیں امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے، جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے، خلاصہ ان ساری بحثوں کا یہ ہے کہ معاصر دینی تعلیم کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہئے لیکن ایسی ہم آہنگی نہیں جو مدارس اسلامیہ کے کردار اور مزاج کو بدل کر رکھ دے۔

☆☆☆

تعلیم وتربیت کا معیار بلند کرنے کی ضرورت

اللہ رب العزت نے ملت کی سربلندی اور قوموں کے عروج کا جو نسخہ ہمیں دیا ہے، ان میں ایمان اور علم بنیاد اور اساس ہے، ارشاد ربانی ہے: **يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوْ الْعِلْمَ دَرَجَات** (اللہ ایمان اور علم والوں کو اوپر اٹھاتا ہے)۔

ایمان پر محنت مختلف طرح سے کی جارہی ہے اور بڑی تعداد میں افراد پوری دنیا میں اس کو مضبوط بنانے اور شریعت کا مطلوب یقین پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ ایک بہتر اور اچھی کوشش ہے، تعلیم کے میدان میں بھی کام ہورہا ہے، مدارس ملحقہ وغیر ملحقہ سرکاری وغیر سرکاری اسکول، پرائیوٹ کانونٹ اور مختلف ادارے، تنظیموں اور گاؤں والوں کی طرف سے چلائے جانے والے مکاتب اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور کہنا چاہے کہ بعضوں نے اسے اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے، جو لائق ستائش بھی ہے اور قابل تقلید بھی، اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں معیار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، مقابلاتی دور میں کاغذ کے سرٹیفکیٹ کا حصول کافی نہیں ہے، بلکہ اس سرٹیفکٹ کے پیچھے صلاحیت کی مضبوط طاقت ہونی چاہئے، تبھی ہمارے طلبہ آگے بڑھ سکیں گے، اس کے لئے غیر معمولی محنت اور جد وجہد کی ضرورت ہے، جن لوگوں کے ہاتھوں میں قلم ہے وہ ہمیں دبانے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے، غیر ضروری شرطیں لگا کر انہیں ملازمتوں سے دور رکھنے کی سعی مسلسل کی جاتی رہی ہے، ایسے میں ضرورت ہے کہ جب دوسرے لوگ مقابلے

میں ستر فی صد صلاحیت (نمبرات کے علاوہ) لے کر جائیں تو ہمارے طلبہ نوے اور پچانوے فی صد صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اتریں، کوشش سو فی صد صلاحیت کی کیجائے گی تب کہیں یہ نشانہ پورا کیا جاسکے گا، ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ بڑے پیمانے پر بد عنوانی اور جانب داری کے باوجود صلاحیتوں کو زیادہ دنوں تک دبایا نہیں جاسکتا ہے، عصری تعلیم گاہوں میں مسلم طلبہ کی بڑی تعداد ہے، سچر کمیٹی رپورٹ کی روشنی میں پڑھنے والے مسلم طلبہ کی چھیانوے فی صد تعداد ادھر کا ہی رخ کرتی ہے، جن میں تربیت یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات مسند تدریس پر متمکن ہوتے ہیں، بڑی بڑی تنخواہیں انہیں اس کام کے لئے دی جاتی ہیں، لیکن تعلیم کا معیار گرتا چلا جارہا ہے۔

اس معیار کو اونچا کرنے کے لئے ان دنوں کوچنگ سسٹم رائج ہے، تاکہ پیشہ ورانہ مقابلہ جاتی امتحانات میں کامیابی حاصل کی جاسکے، لیکن کوچنگ کی فیس اس قدر زیادہ ہے کہ غریب اور متوسط خاندان کے لڑکوں کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا تقریباً ناممکن سا ہوگیا ہے، رحمانی ۳۰، رہبر کوچنگ اور اس جیسے دوسرے ادارے فری کوچنگ کا نظم کررہے ہیں، جس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا ہیں، لیکن کتنے طلبہ کے لئے ایسا ممکن ہے، اور ان اداروں کے وسائل کتنوں کے لئے یہ سہولت فراہم کرسکیں گے، اس لئے بات جاکر وہیں پر ٹکتی ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں پہلے مرحلہ سے ہی اس کام کو اولیت دینی ہوگی تاکہ طلبہ میں مطلوبہ صلاحیتیں پیدا ہوسکیں، اس کے لئے حکومت اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ان لوگوں کو آگے آنا ہوگا، جو اس میں رضا کارانہ تعاون کرسکیں، پنچایت اور اسکول کی سطح پر جو کمیٹیاں دیکھ ریکھ کے لئے بنائی گئی ہیں، انہیں سیاسی وفاداریوں سے اوپر اٹھ کر اس کام کو کرنا ہوگا، اساتذہ سے غیر تدریسی کام جس قدر لئے جارہے ہیں۔ اس سے وہ اپنے اداروں سے غیر حاضر ہوتے ہیں، المیہ یہ ہے کہ ان اساتذہ سے مردم شماری سے لے کر گھر شماری بلکہ جانور

شماری تک کا کام لیا جا تا ہے، پنچایت سطح سے لے کر ریاستی اسمبلی اور پارلیامنٹ کے انتخابات میں بھی انہیں اپنی خدمات فراہم کرنی پڑتی ہیں، پھر یہ سلسلہ ترتیب وار مختلف مراحل میں انتخابات کی وجہ سے اتنا طویل ہوتا ہے کہ کار طفلاں تمام ہوتا جا رہا ہے، دن کی خوراک سے غریب بچوں کی پوری توجہ تعلیم کے علاوہ دیگ کی طرف رہتی ہے، تدریسی اساتذہ کا بڑا وقت اس کے حساب، کتاب اور لیکھا جوکھا میں چلا جا تا ہے، اس کام کے لئے کوئی دوسری شکل سوچنی چاہئے، یہ انتہائی ضروری ہے۔

فرصت اور غیر حاضری کے ایام کے علاوہ اسکول میں حاضری کی پابندی کی وجہ سے بھی طلبہ کا نقصان ہوتا ہے، اس میں سارے اساتذہ کی شرکت لازم کرنے کے بجائے اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو بلا کر کام چلایا جاسکتا ہے۔ پھر اساتذہ جتنے دن اسکول میں رہتے ہیں ان کی توجہ طلبہ پر صحیح انداز میں مرکوز ہوجائے تو کام اچھا ہوگا اور بڑی حد تک تلافی ہوجائیگی، لیکن احساس ذمہ داری کے فقدان کی وجہ سے وہ ایام بھی گپ شپ میں گذر جاتے ہیں، ان حالات میں صرف غرباء کے بچے ہی سرکاری اسکولوں میں رہ جاتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس کوئی متبادل نہیں ہوتا، جن کے پاس متبادل ہے وہ غیر سرکاری اداروں میں بچوں کو داخل کرتے ہیں، موٹی موٹی فیس بھرتے ہیں، دیہات میں رہنا ضروری ہے تو ٹیوشن کا نظم کرتے ہیں اور کسی طرح اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کلاس کی کمی کلی طور پر کسی طرح پورا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ہمیں لازماً رسمی تعلیمی اداروں میں تعلیمی معیار کو اونچا کرنا ہوگا، اور اس راہ میں حائل دشواریوں کو دور کرنا ہوگا، تدریسی عملہ کو صرف تدریس کے لئے خاص کرنا ہوگا، اور بقیہ ضروری کام کسی رضا کارانہ تنظیم سے لینا ہوگا تاکہ اساتذہ یکسو ہوکر اس کام کو کرسکیں اور ہم سب مل کر اس ملی وملکی ذمہ داری میں اپنا رول ادا کریں۔

تعلیم کے اس انحطاط کو دور کرنے کے ساتھ ہمیں ان کی اچھی تربیت کا بھی نظم کرنا ہوگا، بڑوں کا ادب واحترام، اساتذہ کی تقدس وعظمت کا احساس، کمزوروں اور بے کسوں کی مدد کا جذبہ، جسمانی رکھ رکھاؤ اور وضع قطع سب پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، اب جو نسل تعلیمی اداروں سے نکل رہی ہے، اس میں ان چیزوں کی کمی کا احساس ہر کس وناکس کو ہے، توڑ پھوڑ اور تعلیمی اثاثہ جات کو نقصان پہونچانے کے واقعات آئے دن رونما ہو رہے ہیں، احتجاج، ہڑتال اور تشدد کے واقعات نے بھی جینا حرام کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے تعلیم گاہوں کا تعلیمی ماحول ختم ہو رہا ہے، تعلیمی ماحول کی بقا کے بغیر تعلیم کا کام ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے تعلیمی اداروں کے تربیتی نظام کو چوکس اور درست کرنا ہوگا، ایسا طریقہ رائج کرنا ہوگا، جس کی وجہ سے طلبہ کو شکایت کے مواقع کم ملیں اور اگر شکایت ہوجائے تو ادب واحترام کے دائرہ میں اس کے حل کی جدوجہد کی جائے۔

معاملہ تعلیم کا ہو یا تربیت کا، گارجین کا رول ہر حال میں اہم ہے، تعلیمی اداروں سے بچے جب گھر جاتے ہیں تو اپنے شب وروز کا بڑا حصہ گھر پر گذارتے ہیں، اس لئے گارجین کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنائے رکھیں، میاں بیوی کے جھگڑے، پڑوس سے سخت کلامی، گالی گلوج، غیبت اور جھوٹ کا ماحول اگر ہمارے گھروں میں رہے گا تو ہم بچے کی تربیت صالح قدروں کے مطابق نہیں کرسکیں گے، اس لئے گارجین حضرات کو اپنی ذمہ داری سمجھنی ہوگی، خود بھی پاکیزہ رہنا ہوگا اور ماحول کو بھی پاکیزہ رکھنا ہوگا، اخلاقی قدروں کی پامالی پولوشن اور فضائی آلودگی کی طرح ہے، اسے پردہ لٹکا کر نہیں روکا جا سکتا ہے، اس لئے ہمیں خانگی اور سماجی سطح پر ایسے انتظامات کرنے ہوں گے، جہاں بچوں کو صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول مل سکے۔

اس کام کے لئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے عصری تعلیمی اداروں کے لئے ایسی

اقامت گاہوں کے قیام پر زور دیا تھا، جہاں طلبہ کے لئے یہ ماحول فراہم کیا جاسکے، ان اقامت گاہوں میں ایسے نگراں رکھے جائیں اور ایسے لکچر اور محاضرے کا نظم کیا جائے، جس میں طلبہ کی صلاحیت صالحیت کے ساتھ پروان چڑھ سکے، سرکاری سطح پر یہ کام اقلیتی ہوسٹلوں کے ذریعہ لیا جاسکتا ہے، ہر ضلع میں اقلیتی ہوسٹل بنائے گئے ہیں، ان کا مصرف ہم اس کام کے لئے لے سکتے ہیں۔

مجھے احساس ہے کہ تجویز کی حد تو بہت کچھ لکھا اور کہا جاسکتا ہے، لیکن عمل ہمیشہ آسان نہیں ہوتا، اور اس میں بہت ساری دشواریاں ہوتی ہیں، ان دشواریوں کو عبور کرنے کے لئے ایسے جیالوں کی ضرورت ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ع۔ کسی دیوار نے سیل جنوں روکا نہیں اب تک

☆☆☆